بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون

رسالہ

تشحیذ الاذہان

مرتبہ
قاضی محمد ظہور الدین اکمل

جلد ۱۳ | بابت ماہ جون ۱۹۱۸ء مطابق شعبان المعظم ۱۳۳۶ھ | نمبر ۶

قیمت سالانہ:- عوام سے عہ طلباء سے ۱؎ غیر ممالک سے سے

باہتمام شیخ عبدالرحمن صاحب قادیانی پرنٹر ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپا
اور چودھری عبدالسلام پبلشر نے شائع کیا

خریداران تشحیذ سے ضروری گذارش

۱۱ اپریل تک میری اپیل اور پرائیوٹ چٹھیوں کے جواب میں جن احباب نے توسیع اشاعت تشحیذ کے بارے میں کوشش کی ہے۔ ان کے نام نامی درج کر چکا ہوں۔ اب یہ فہرست ان احباب کی پیش کی جاتی ہے جنہوں نے ۱۱ مئی تک کوئی نہ کوئی خریدار دیا۔ میں اپنے دوستوں کا شکر گذار ہوں مگر اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ چٹھیاں وغیرہ بھیجنے میں جو خرچ ہوا ابھی تک وہ بھی وصول نہیں ہوا گویا توسیع اشاعت کے سوال سے خرچ اور بھی بڑھ گیا۔ میرے پیارے بھائیو مجھے آپ سے یہ امید نہ تھی جو ظہور میں آئی۔ کیا میں امید کر سکتا ہوں کہ اس مہینے میں آپ میری درخواست کو نظر التفات سے دیکھ کر تلافی مافات فرمائیں گے۔

شیخ فضل کریم صاحب مہتمم خزانہ عامرہ حیدر آباد دکن	۱۰ خریداروں کی قیمت اپنی جیب خاص سے مرحمت فرمائینگے اور پہلے بھی رسالہ کی قیمت پانچ روپیہ سالانہ دیتے ہیں۔
ڈاکٹر رحیم بخش صاحب وٹرنری اسسٹنٹ لائل پور	خود خریدار ہوئے۔
محمد عبد اللہ صاحب سکرٹری انجمن احمدیہ نوشہرہ	خود خریدار ہوئے۔
مولوی محمد عبد الحلیم صاحب ہیڈ مولوی سمن بُرج	خود خریدار ہوئے اور خریدار دینے کا وعدہ کیا
مولوی غلام حسین صاحب اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس جھنگ	دو خریدار
منشی عبد العظیم صاحب پٹواری سلاہیکے مہاں سنگھ براہ پھلورہ ضلع سیالکوٹ	ایک خریدار دیا۔
محمد رمضان و محمد سلطان صاحب تاجر چرم پورٹ اکاڑہ	ایک خریدار
بابو علی محمد صاحب فیروز پوری	ایک خریدار پہلے دیا تھا۔ ایک خریدار اب دیا ہے۔
گل محمد صاحب مثلخواں المحمد صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر سرگودھا	دو خریدار

منشی غلام قادر صاحب وکیل لائلپور دو خریدار۔ ایک خریدار دوست محمد صاحب محرر چونگی تحصیلدار صاحب خانیوال خود خریدار ہوئے۔ ۱ محمد علی رنگون خود خریدار ہوئے محمد ابراہیم صاحب

موصوف خود بھی خریدار ہوئے۔ میزان ۴۳۔ سابق ۲۰۳۔ کل ۲۴۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تشحیذ الاذہان

بابت ماہ جون ۱۹۱۸ء

روح مخلوق ہے

میں امید کرتا ہوں کہ منشی فضل حسین صاحب کا مندرجہ ذیل مضمون دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائیگا۔ روح کے مخلوق ہونے کے متعلق قرآن مجید نے بہت سے دلائل دیے ہیں چنانچہ فرماتا ہے:۔ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ یعنی کیا وہ علم نہیں رکھتا جس نے پیدا کیا۔ اور وہ لطیف اور خبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے عالم الکل ہونے کی دلیل دیتا ہے۔ کہ وہ خالق الکل ہے۔ ہر چیز اس کی مخلوق ہے۔ ان چیزوں کے مخلوق اور خدا کے خالق الکل ہونے کا ثبوت یہ دیا کہ وہ لطیف ہے یعنی ہر چیز میں ساری ہے۔ اور جو چیز الطف ہو کر ساری ہو ضرور ہے کہ دوسری تمام چیزیں اس کے مقابل میں منقسم ہو جائیں۔ جیسا کہ ویشیشک درشن میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ آکاش بہت لطیف ہے۔ جوہر ہے۔ حتی کہ پرمانو سے بھی۔ مگر با ایں ہمہ ہر ذرہ کے اندر نہیں کیونکہ اگر ذرہ کے اندر ہو تو وہ اسے تقسیم کر دے گا۔ جس طرح بجلی لوہے کے اندر سے روشنی شیشے کے اندر سے گذر کر ثابت کر دیتی ہے۔ کہ لوہا اور شیشہ قابل تقسیم ہیں۔

الغرض اکاش سرو ویاپک نہیں۔ بلکہ پرمیشور سرو ویاپک ہے۔ وہ ہر چیز میں ساری ہے کیونکہ لطیف ہے۔ اور الطف ہو کر وہ ہر ذرہ کے اندر ساری ہوتا ہوا اسے قابلِ تقسیم ثابت کرتا ہے۔ اور جو منقسم ہو سکے۔ وہ یقیناً مرکب و حادث ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے الا لہ الخلق والامر مفسرین قرآن مجید اس پر متفق ہیں کہ خدا تعالیٰ اوّیات سے بھی پیدا کرتا ہے۔ اور مطلق حکم سے بھی اور دنیا کی کوئی چیز ان دو حال سے خالی نہیں۔ خواہ وہ مادی ہے یا غیر مادی۔ دونوں قسم کی پیدائش خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

کیوں؟ تبرک اللہ رب العالمین وہ تمام مخلوقات کا رب بہت خیر و برکت والا ہے۔ (اعراف ع ۷ پ ۸)

پھر دوسرے مقام پر فرمایا قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (بنی اسرائیل) یعنی روح میرے رب کے امر سے پیدا ہوئی ہے۔ پہلے فرمایا الخلق والامر اور یہاں روح کو امر سے فرمایا۔ لفظ رب میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ پیدا کر کے اسے کمال تک پہنچانا بھی اسی کا کام ہے۔ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا میں دلیل دی کہ علم کا محدود ہونا ثابت کرتا ہے کہ تمہارا کوئی محدد اور خالق ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ وخلق کل شئ فقدرہ تقدیرا

کوئی چیز اس کی پیدائش سے باہر نہیں۔ بعد اس نے پیدا کر کے ہر ایک کے جسم۔ طاقتوں قوتوں خواص۔ صورت اور شکل کو حد کے اندر محدود کر دیا۔ تا اس کا محدود ہونا محدد پر دلالت کرے

چوتھی دلیل ثم انشانٰہ خلقاً آخر یعنی جب قالب تیار ہو جاتا ہے۔ تو اس کی تیاری کے بعد اسی قالب سے ایک نئی پیدائش کرتے ہیں۔

یعنی جیسے چند ادویہ کے ملنے سے اس مجموعہ میں ایک خاص مزاج پیدا ہوتی ہے۔ جو ان دوائیں میں فرد فرد کے طور پر پیدا نہیں ہوتی اسی طرح اس قالب میں جو بقول حضرت اقدس خون اور دو نطفوں کا مجموعہ ہے ایک خاص جوہر فاسفرس کے رنگ میں پیدا ہوتا ہے۔ اور جب تجلی الٰہی کی ہوا کن کے امر کے ساتھ اس پر چلتی ہے۔ تو ایک دفعہ وہ افروختہ ہو کر اپنی تاثیر اس قالب کے تمام حصوں میں پھیلا دیتی ہے۔ اور یہی افروختہ چیز ہے۔ جو کلمۃ اللہ ہے

اور امر ربی ہے۔ روح کا فاسفرس بیشک مادہ سے پیدا ہوتا ہے مگر وہ روحانی آگ جس کا نام روح ہے بجز مس نسیم آسمانی کے پیدا نہیں ہو سکتی۔ پس روح ایک مجہول الکنہ علاقہ کے ساتھ نطفہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور نطفہ کا ایک نورانی جوہر ہے نہیں کہہ سکتے کہ وہ نطفہ کی ایسی جز ہے جیسا جسم جسم کی۔ مگر یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ باہر سے آتی ہے یا زمین پر گرکر نطفہ کے مادہ سے آمیزش پاتی ہے۔ بلکہ روح جسم میں سے ہی نکلتی ہے اور اسی دلیل سے اس کا مخلوق ہونا ثابت ہے۔ اس پر یہ اعتراض کہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی اور مادی چیز سے غیر مادی نہیں پیدا ہوتی۔ فضول اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ گیہوں کا ایک دانہ بویا جاتا ہے۔ اور اس سے سبزہ۔ ٹہنیاں پیدا ہوتی ہے۔ اور پھر خوشہ نکلتا ہے اور ایک دانہ سے کئی دانے بن جاتے ہیں۔ صرف ہست سے ہست کا اصول ٹھیک ہوتا تو ایک دانہ کے عوض میں ایک دانہ اور ایک آم سے آم ہی چاہئے۔ یہ انبار لکڑیوں۔ پتوں اور پھولوں کا نیستی سے ہستی نہیں۔ تو اور کیا ہے۔ شورہ۔ گندھک اور کوئلہ۔ ایک خاص ترکیب سے بارود بن جاتا ہے۔ فرداً فرداً ان سے بارود بنانا ناممکن ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ترکیب سے ایک نئی چیز پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ بجلی زنک۔ کاپر۔ تیزاب سلفر سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ تینوں چیزیں ملوی ہیں اور بجلی غیر مادی۔ پھر سائنس کا یہ مسلمہ ہے کہ مادہ عالم کے ذرات یکساں اور باوجود اس کے ان سے مختلف اور متضاد چیزیں بنتی ہیں اسی طرح انرجی (طاقت غیر مادی جوہر) سے سب چیزیں پیدا ہوتی ہیں جو نیستی سے ہستی کا ثبوت ہے۔ گوبر کے اندر سے کیڑوں کا پیدا ہو جانا بھی بتاتا ہے۔ کہ جسم میں سے ہی روح کیونکر پیدا ہو جاتی ہے۔

پانچویں دلیل یہ ہے کہ روح پر بھی (جیساکہ شاہدہ سے ثابت ہے) جسم کی طرح تغیرات آتے رہتے ہیں۔ اور وہ اپنی لازمی صفات کو چھوڑ دیتی ہے۔ جیساکہ نیند کے وقت بھی من وجہ یہ بات دکھائی دیتی ہے اور یہ متغیر ہونا اس کے حادث ہونے کا ثبوت ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے انی لا احب الآفلین میں متغیر چیزوں کو محبوب نہیں بناتا حضرت ابراہیم نے سورج چاند کے مخلوق ہونے اور اس باعث سے معبودیت کا استحقاق نہ رکھنے

یہی ثبوت دیا ہے۔ کہ سورج چاند آفلین میں سے ہیں۔ ان پر تغیر آتے رہتے ہیں۔ پس کل متغیر حادث کا مسئلہ قرآنی آیت سے مستنبط ہے۔ روح کا متغیر ہونا[1] اس کے حادث ہونے کی دلیل ہے۔ کہ پہلے تھے یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ اگر روح مخلوق ہے۔ تو پھر لازم آئیگا کہ وہ فنا بھی ہو جائے۔ سو اس سے کس کو انکار ہے۔ کہ کل شیء ھالک الا وجہہ اور کل من علیھا فان۔ ہر چیز معرض فنا میں ہے۔ اور اس کا بقا بذاتہ نہیں۔ اور ہر شے معرض ہلاکت میں ہے۔ وہی زندہ رہیگی جو اس میں زندہ ہو کر رہے۔ چنانچہ اسی بناء پر جیسا کہ جسمی ترکیب میں انحلال ہو کر جسم پر موت وارد ہوتی ہے۔ اسی طرح روحانی صفات میں تغیرات پیدا ہو کر روح پر موت آجاتی ہے۔ مگر جو لوگ وجہ اللہ میں محو ہو کر مرتے ہیں وہ دوبارہ زندہ کئے جاتے ہیں۔ اور ان کی زندگی خدا کی زندگی کا ایک ظل بن جاتی ہے۔ اور جو پلید روحیں مرتی ہیں۔ ان کی حالت لا یموت ولا یحییٰ والی۔

چھٹی دلیل الست بربکم قالوا بلیٰ دی ہے۔ کہ ؎

تو نے خود روحوں پر اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک ؎ اس سے ہے شور محبت عاشقانِ زار کا

یعنی روحوں کی فطرت میں یہ نقش ہے کہ وہ اپنے پیدا کنندہ کی قائل ہیں۔ یہ قائل ہونا بتاتا ہے کہ وہ کسی کی مخلوق ہے۔

ساتویں دلیل خالق کل شیء وھو الواحد القہار خدا تعالےٰ اپنی ذات میں واحد صفات میں یگانہ ہے۔ اور پھر قہار بھی ہے۔ یہ دلیل ہے۔ اس بات کی کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ پس روح بھی اسی نے پیدا کی۔ ورنہ وہ اپنی ذات و صفات میں یگانہ نہیں بنیگا۔ جو فریقین کی مسلمات کے خلاف ہے۔ خدا تعالیٰ کی ذات کو تقدم زمانی ہر چیز پر لازمی ہے۔ اور کان اللہ ولم یکن معہ شیء کا مسئلہ برحق اب میں وہ مضمون درج کرتا ہوں۔ جس کی یہ تمہید ہے۔ (ایڈیٹر)

[1] تغیر ہونے کی ایک یہ دلیل بھی ہے کہ روح منقسم ہو جاتی ہے۔ مثلاً کیچوے کو کاٹا جائے تو دونوں ٹکڑے زندہ رہتے ہیں جیسے کہ پہلے رہتے تھے۔

آریہ سماج کے انوکھے مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ روح ازلی ہے۔ اور یہ عقیدہ ان کا مدار الہام ہے۔ ان کے بہت سے اصولوں کا۔ کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ روح ازلی ہے۔ تو ماننا پڑتا ہے۔ کہ تناسخ صحیح ہے۔ اور تناسخ (پنر جنم) کے راست ہونے پر قدامت مادہ کا قائل بھی ہونا پڑے گا۔ پھر اسی پر "پرواد سے انادی" "قدامت وید" "وید الہامی" یہ سب مسائل متفرع ہو کر پایۂ تحقیق کو پہنچ جائینگے اور آریہ سماج کی فتح ہی فتح ہوگی۔ لیکن خدا کے فضل سے ہم یہ بات بدلائل قاطعہ و براہین ساطعہ ثابت کر کے دکھا دیں گے کہ روح ازلی نہیں۔ بلکہ روح حادث اور مخلوق ہے۔ سب سے اول یہ دیکھنا ہمارے لئے نہایت ضروری امر ہے۔ کہ آریہ سماج جو "روح کی ازلیت" کا دعویٰ کرتا ہے۔ آیا یہ دعویٰ اُن کی کتاب میں بھی ہے جسے وہ "الہامی کتاب" سمجھتے ہیں۔ یا وہ محض اس کے مدعی ہے اگر آریہ صاحبان وید کو "ایشوری گیان" مانتے ہیں۔ تو ان کے لئے یہ ضروری ہے کہ اپنے اس عقیدہ کا دعویٰ ویدوں سے دکھائیں۔ پھر اسی پر اکتفا نہ ہو بلکہ اس دعوے کی دلیل بھی اسی سے دکھلائیں کیونکہ الہامی کتاب کامل و اکمل وہی ہو سکتی ہے۔ جو دعویٰ اور دلیل خود بیان کرے۔ نہ کہ دعویٰ تو خود کر دے اور دلیل کے لئے اپنے پیروؤں کی محتاج ہو۔ ہم نے کئی بار آریہ صاحبان سے یہ مطالبہ کیا کہ قدامت روح کا دعویٰ اور دلیل اپنی الہامی کتاب "وید" سے دکھلایئے۔ مگر "صدائے برنخاست" اور اگر کوئی کسی کونے سے آواز اُٹھی بھی تو محققین کے نزدیک بے ہنگام ثابت ہوئی۔ کیونکہ جو منتر وید کا پیش کیا جاتا ہے اس سے اشارۃً بھی قدامت روح ثابت نہیں ہوتی۔ چنانچہ ہم وہ منتر جو رگوید کا ہے ناظرین کے سامنے پیش کئے دیتے ہیں۔ خود ہی اندازہ لگا لیجئے۔ کہ اس منتر سے کیسے ازلیت نکلتی ہے۔

"خوبصورت پروالے "پرند" باہم میل رکھنے والے دوست ایک ہی درخت پر بسیرا کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک پکے ہوئے پھل کو مزے سے کھاتا ہے۔ دوسرا نہ کھاتا ہوا سب طرف سے نگراں رہتا ہے۔" (رگوید منڈل ۱۔ سوکت ۱۶۴ منتر ۲۰)

اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ درخت "پرکرتی" ہے۔ اور وہ دونوں جانور "خدا" اور "روح" ہیں۔ کیسی لایعنی تاویل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ تاویل تھوڑے عرصے کے لئے مان بھی لیں تو یہاں ازلیت کا ذکر کہاں سے نکلا۔ پس ثابت ہو گیا کہ روح کی ازلیت کا نہ تو دعویٰ ہی ویدیں

ہے۔ نہ ہی دلیل - جب ایسا ہے تو وید الہامی نہ رہے۔ کیونکہ الہامی کتاب تو کامل و اکمل ہونی چاہئے اور وید نہ دعوی رکھتے ہیں نہ دلیل - اے آریہ صاحبان اب ہم قرآن شریف سے بتلاتے ہیں کہ روح کیا چیز ہے۔ مخلوق ہے یا ازلی - اور اگر مخلوق ہے تو کیسے پیدا ہوتی

قرآن شریف کا دعویٰ } خلق کل شیٍٔ فقدرہ تقدیرا - اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا - اور پھر اُن کے اندازے مقرر کردیئے

لفظ کل ، میں ہر ایک چیز آ گئی - پرکرتی - جیو (مادہ و روح) بھی کیونکہ یہ لفظ ایسا وسیع واقع ہوا ہے - کہ کوئی چیز اس کی حد سے باہر نہیں ہو سکتی -

یہاں قرآن شریف نے روح کے مخلوق ہونے کا دعوی کیا ہے - جیسا کہ خلق کل شیٔ سے ثابت ہے - پھر قدرہ تقدیرا فرماکر اسے محدود قرار دیا ہے - اور بلا شبہ جو محدود ہے - وہ مخلوق ہے - جیسا کہ سانکھ درشن نے پرکرتی کو لا محدود اس لئے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگر وہ محدود ہو تو مخلوق ہے - اب دیکھئے صرف دعوے پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس کو بدلائل قاطعہ و براہین ساطعہ پایۂ ثبوت کو پہنچاتا ہے - پڑھئے قرآنی آیت انا خلقنا الانسان من نطفۃٍ امشاج (سورہ دہر پارہ ۲۹)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے - کہ ہم نے انسان کو مرکب نطفہ سے پیدا کیا یہ ہے قرآنی دلیل جو روح کے مخلوق ہونے کو ثابت کر رہی ہے - اور یہی انسانی مشاہدہ ہے ہم ہر روز دیکھتے ہیں کہ روح مادہ میں ہی پیدا ہوتی ہے - حسب زعم آریہ سماج باہر سے نہیں آتی - اس قرآنی دلیل کو جو آج سے تیرہ صدیاں پہلے بیان کی گئی یورپ کے سائنسدانوں نے بھی بعد از تحقیق و تدقیق بسیار تسلیم کیا ہے - یہ ہے الہامی کتاب کی نشانی کہ دعوی اور دلیل دونوں بیان کرے نہ کہ دوسروں کی محتاج رہے -

قرآن شریف سے اور سائنس کی رو سے ثابت ہو گیا کہ روح نطفہ کی خاص ترکیب سے پیدا ہوتی ہے - آؤ اب ہم آپ سے اس مشاہدہ کی دلیل آپ کی کتب میں بھی دکھلائیں - دیکھئے اُپدیش منجری مصنفہ سوامی دیانند صہ ۶۹

" پرماتما نے پہلے اکاش پیدا کیا - اُس سے وایو (ہوا) وایو سے اگنی (آگ) اگنی

سے جل (پانی) جل سے پرتھوی (زمین) پرتھوی سے اناج - اناج سے ویرج (نطفہ) اور ویرج سے انسان پیدا ہوا"

چونکہ اس تھیوری پر آریہ صاحبان اعتراض کیا کرتے ہیں - ضروری ہے کہ اس تھیوری کو یہاں نقل کرکے اس کا جواب بھی لگے ہاتھ دیدیا جائے -

اعتراض - "روح غیر مادی ہے "پس مادی سے غیر مادی نہیں نکل سکتی"

پہلے فقرہ کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ "روح غیر مادی ہے" مگر دوسرے فقرے کو ہم تسلیم نہیں کرسکتے اور اس کے ہمارے پاس کئی ایک وجوہ ہیں -

اول تو یہ کہ آریہ صاحبان کا یہ اعتراض نرا دعویٰ ہی ہے دلیل نہیں - اور دوم اُن کا یہ اعتراض مشاہدہ کے خلاف ہے - فلاسفروں کے تجربات کے خلاف - دیکھئے اول تو ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ روح پیدا ہوتی ہے - اور مادہ میں سے ہی پیدا ہوتی ہے پھر یہ کہنا کہ مادی سے غیر مادی چیز نہیں نکل سکتی محض غلط ہے - قدیم فلاسفروں نے بھی آپ کے خلاف لکھا ہے دیکھئے یونان کا فلاسفر سقراط کیا لکھتا ہے

"تمام اشیاء کی بابت ہم جانتے ہیں کہ سب اشیاء اس طرح پیدا ہوتی ہیں - یعنی کسی اور جگہ سے نہیں - مگر نقائض سے نقائض پیدا ہوتے ہیں"

پھر یہی فلاسفر دوسری جگہ لکھتا ہے

"سقراط نے کیبس سے کہا تو بھی اسی طرح سے زندگی اور موت کی بابت مجھے بتلا کیا تیری رائے میں زندہ رہنے کی نقیض مرجانا نہیں ہے - کیبس ہاں ہے - سقراط - اور وہ ایک دوسرے سے پیدا ہوتے ہیں - کیبس - ہاں سقراط پس زندہ شے سے کیا پیدا ہوتا ہے - کیبس مردہ شے سقراط وہ شے سے پھر کیا پیدا ہوتا ہے کیبس - یہ تسلیم کرلینا اب ضروری ہے - کہ مردہ سے) زندہ شے پیدا ہوتی ہے" (منقول مکالمات افلاطون ص۲۹)

دیکھئے فلاسفر سقراط کس لطیف پیرایہ میں سمجھا رہا ہے کہ مردہ شے سے زندہ پیدا ہوتی ہے - سو یہ اعتراض خود بخود حل ہو گیا

مادی کا نقیض غیر مادی ہے - پس سقراط کے مندرجہ بالا استدلال کی رو سے ضرور ماننا پڑے گا

کہ مادی سے غیر مادی پیدا ہوتی ہے۔

مگر اس سے بھی تسلی نہ ہو تو ہم سوامی جی کے قول کو پیش کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ پھر خصم کیلئے کوئی راہ گریز باقی نہ رہیگی۔ دیکھئے اُپدیش منجری صد ۱۳۔

"سوال کاریہ (معلول) اور کارن (علت) علیحدہ علیحدہ ہیں یا کس طرح

جواب۔ کہیں کہیں مختلف نہیں ہے۔ اور کہیں کہیں مختلف بھی ہے۔ مثلاً مٹی سے بنا ہوا گھڑا مٹی ہی رہتا ہے۔ لیکن گوشت اور خون سے ناخن پیدا ہوتے ہیں۔ پھر تب بھی یہ ناخن گوشت اور خون نہیں ہیں۔ اسی طرح مکڑی کے پیٹ سے جالا پیدا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن مکڑی جالا نہیں ہوتی۔ گوبر سے بچھو پیدا ہوتا ہے۔ تاہم گوبر اور بچھو کیا کبھی ایک ہو سکتے ہیں"

اے آریہ صاحبان دیکھئے آپ کا رشی نہیں بلکہ مہرشی دیانند کیا کہہ رہا ہے۔ کیا اب بھی تسلی ہوئی یا نہیں۔ اسی طرح مادہ سے روح پیدا ہوتی ہے۔ مگر مادہ رہتی نہیں۔ جیسا کہ اوپر گوبر اور بچھو مکڑی اور جالے کی مثال اپنے گورو کے قلم سے لکھی ہوئی پڑھ چکے ہو۔

پھر دیکھئے ستیارتھ پرکاش صد ۲۵۱

"جو شئے ترکیب سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ ازلی نہیں ہو سکتی"

سوامی جی نے یہاں مان لیا کہ جس چیز میں ترکیب پائی جائے وہ ازلی نہیں ہو سکتی۔

اب دیکھئے خود سوامی جی بھی روح میں ترکیب و تفریق مانتے ہیں۔ ستیارتھ صد ۲۲۳ سمولاس ۷

"سوال ۸۵ جیو (روح) جسم کے اندر علیحدہ "وبھو" (بسیط) ہے یا "پری چھن" (ایک مقامی)

جواب:۔ پری چھن" (ایک مقامی) اگر "وبھو" (بسیط) ہوتا تو عالم بیداری سپنے کی نیند گہری نیند۔ مرنا جنم لینا ترکیب۔ تفریق۔ جانا۔ آنا۔ ہرگز نہ ہو سکتا۔ بس جیو محدود العلم اور محدود المقام مگر لطیف ہے"

ناظرین یہاں سوامی جی نے روح میں ترکیب و تفریق کا ہونا تسلیم کر لیا۔ بس اب کوئی نزاع بھی نہ رہی۔ کیونکہ جس چیز میں ترکیب و تفریق ہے وہ بقول سوامی جی ازلی ہو نہیں سکتی۔ ہاں اسی طرح

بلا خیال ہے۔ کہ آریہ صاحبان کچھ تاویل کرنے کی کوشش کریں گے۔ مگر انشاء اللہ ہم اُن کی تاویل کو ابھی یہیں توڑے رکھ دیتے ہیں۔ وہ یہاں ترکیب و تفریق کے یہ معنی کریں گے کہ روح کا جسم میں آنا اور نکل جانا۔ مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ اوپر ہم نے ہر ایک صفت پر نمبر لگا دیے ہیں۔ دیکھئے نمبر ۴ وہ سے پہلے ہی مکمل یکر مرنا جنم لینا۔ اس کے بعد ترکیب نمبر ۶ تفریق نمبر ۷ کو مانا ہے۔ اگر ترکیب و تفریق کے معنی جسم میں آنا اور جسم سے جانا ہوتے تو اوپر مرنا جنم لینا نہ لکھتے۔ پس ثابت ہو گیا کہ ارواح میں ترکیب و تفریق ہے۔ بقول سوامی جی اگر روح بسیط ہوتی تو پھر ترکیب وغیرہ ناممکن تھی۔ مگر وہ پریچھن (ایک مقامی) ہے اس لئے ترکیب و تفریق سے مبرا نہیں ہو سکتی۔ اگر اس زبردست حوالہ سے بھی آریہ صاحبان کی تسلی و تشفی نہ ہووے اور ضد و ہٹ دھرمی سے کام لیں تو ہم اُن کی خاطر ایک اور حوالہ پیش کرتے ہیں۔ دیکھئے ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۳۹ سمولاس ۷۔ سوال نمبر ۶۰

"برہم (خدا) کے برابر جیو یا پرکرتی۔ نہیں ہیں۔ البتہ کمتر ضرور ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ برہم ہمیشہ ایک ہے۔ جیو اور پرکرتی کے عناصر بہت سے ہیں"

معزز ناظرین کیسا صریح بیان ہے سوامی جی کو ماننا پڑا کہ برہم تو ایک ہے۔ مگر روح اور مادہ کے بہت سے عناصر ہیں۔ پس جس چیز کے عناصر ہونگے وہ ضرور مرکب ہوگی۔ مرکب چیز ہمارے نزدیک ازلی نہیں ہو سکتی۔ ہمارا دعویٰ ثابت

سوامی درشنانند جی مہاراج لکھتے ہیں:۔

"گن (صفت) کے ساتھ گن والے (موصوف) کا ہمیشہ تعلق رہتا ہے۔ گن کے ناش سے گن والے کا بھی ناش ہو جاتا ہے۔" دیکھئے آتم سکشا صفحہ ۹

اب دیکھئے روح کی صفت درک ہے۔ جب نوع انسان سے حیوان میں بذریعہ جنم کے آ جاتی ہے۔ تو پھر درک کی صفت اُس میں موجود ہوتی ہے۔ مگر جہاں نباتات میں گئی درک

ف نباتات میں روح کا ثبوت دیکھئے ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۸۹

"جو شخص بذریعہ جسم کے چوری۔ دوسرے کی عورت سے صحبت نیک آدمیوں کی ہلاکت وغیرہ

کچھ بھی نہ رہا۔ پس جب گن یعنی صفت کا ناش ہو گیا تو بقول سوامی وِدیشنانند موصوف کا ناش ضروری ٹھیرا۔ سوامی درشنانند لکھتے ہیں:۔

"جو چیز پیدا ہوتی ہے۔ وہ حالتیں بدلتی اور ناش (نیست) ہو جاتی ہے۔ اور جو چیز حالت بدلتی ہے۔ وہ پیدا شدہ اور حالت بدلنے والی ہے۔۔۔۔۔۔ جو چیز حالت بدلتی ہے وہ پیدا شدہ ہے" (ملاحظہ ہو۔ ایشور وچار حصہ اول صد ۳)

اب ہم دیکھتے ہیں روح بھی حالتیں بدلتی ہے۔ یا نہیں۔ اگر ثابت ہو جائے کہ روح حالتیں بدلتی ہے۔ تو لامحالہ تسلیم کر لینا ہو گا کہ روح حادث ہے۔ اور اگر غیر متغیر ثابت ہو تو پھر ازلی ثابت ہو گئی۔ مگر جہاں تک ہم غور و تدبر یا تفکر سے کام لیتے ہیں دنیا میں یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ روح پر جتنے تغیرات وارد ہوتے ہیں۔ مادہ پر بھی اتنے تغیر وارد نہیں ہوتے۔ اور پھر تناسخ اگر صحیح ہے۔ تو روح آج انسان ہے۔ کل حیوان[ل] پرسوں پرندہ ہے تو دوسرے دن چرند ہے۔ کبھی عالم ہے تو کبھی جاہل۔ کبھی ہوش میں ہے۔ تو کبھی بیہوش۔ الغرض کس قدر اُس کو تغیرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے پس جب ہمارا مشاہدہ بتلا رہا ہے۔ کہ روح متغیر ہے تو اوپر جو ہم نے سوامی درشنانند کی عبارت بطور معروضہ کے نقل کی ہے۔ اُس کی رو سے ثابت ہو گیا کہ روح حادث ہے۔ کیونکہ یہ مسلمہ امر ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بدکام کرتا ہے اُس کا جنم درخت وغیرہ نہ چلنے والے جسموں میں ہوتا ہے۔" اور دیکھئے یہی کتاب صد ۲۹۲

"جو (شخص) نہایت درجہ کے تموگنی ہیں۔ وہ نہ چلنے والے درخت وغیرہ کا۔ کیڑے مکوڑوں کا۔۔۔۔۔ جنم پاتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اسی طرح کے کئی ایک حوالے ہمارے پاس موجود ہیں۔

ل ان حالتوں میں روح کے صفات کا تغیر ظاہر ہے۔ مثلاً قوت ادراک جس قدر انسان کی حالت میں ہوتی اسی قدر حیوانی حالت میں پائی نہیں جاتی۔ اسی طرح روح جو سبھاوک طور پر پاکیزہ ہے (س ۳۲۱) وہ کرموں کے اثر سے نیک و بد ہو جاتی ہے۔ جو بدیہی تغیر ہے۔

کُلّ متغیّرٍ حادث۔ پس روح متغیر ثابت ہوکے حادث ٹھہری۔ ازلی نہ رہی۔ اگر روح کو ازلی مان لیا جائے تو مشکل پیش آئیگی۔ یہ کہ اگر روح ازلی ہے۔ اور اُس کی صفات بھی ازلی ہیں تو روح کی صفات میں سے ایک صفت خود شناسی بھی ضرور ہے۔ جب مان لیا کہ اُس میں خود شناسی کی صفت موجود ہے۔ تو یہی ماننا پڑیگا کہ اُس کو اپنی ازلیت کا علم ہو۔ لیکن یہ بات نہیں ہے کیونکہ نہ ہمیں نہ کسی آریہ کو معلوم ہے کہ ہماری روحیں ازلی ہیں۔ اگر کوئی آریہ اپنے عقیدہ کو ثابت کرنے کی خاطر مدعی ہے کہ ہم اپنی ازلیت کو جانتے ہیں۔ تو وہ ثبوت دے اور بتلائے کہ وہ اس جنم سے پہلے کیا کرتا تھا۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ اس سوال کا شافی جواب نہیں دیگا ہم تو بہت سے سائنس دانوں کو جانتے ہیں۔ جو سرے سے ہی روح کے منکر ہیں۔ چہ جائیکہ انہیں خود شناسی حاصل ہو۔ پس جب روح میں صفت خود شناسی ہے۔ تو جب سے روح ہے تب سے وہ اپنے آپ کو جانتی ہے۔ اگر وہ ازلی ہوتی تو ضرور علم رکھتی۔ اُس کا علم نہ رکھنا دلیل ہے اس بات پر کہ روح ازلی نہیں۔ پس جب ازلی نہیں تو مخلوق ٹھہری۔

اسی طرح ہم روح کے حدوث پر بہت سی منطقی دلائل پیش کر سکتے ہیں۔ مگر ہماری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ جہاں تک ہو آسان الفاظ میں دلائل مہیا کئے جائیں۔ اور خصم کے مسلمات سے اپنے دعوے کو ثابت کیا جائے۔ آخر میں ہم ایک دلیل اور بھی روح کے حدوث پر بانی آریہ سماج کے ہی اقوال سے استنباط کرکے دیتے ہیں۔ سوامی دیانند ستیارتھ کے صفحہ ۲۴۸ پر تحریر فرماتے ہیں

"تین چیزیں ازلی ہیں۔ روح[۱]۔ مادہ[۲]۔ خدا[۳]"

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۲۴۸ پر تین کی بجائے پانچ اشیاء کو ازلی ٹھہراتے ہیں روح[۱]۔ مادہ[۲] خدا[۳] اکاش[۴]۔ زمانہ[۵] پھر اسی کتاب میں اکاش کے ازلی ہونے کی ایک وجہ بیان کرتے ہیں دیکھئے صفحہ ۲۵۳:۔

"اکاش اگر نہ ہوں تو روح و مادہ کہاں ٹھیریں اس لئے لازماً اکاش کو ازلی ماننا پڑتا ہے"۔

محولہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہو گیا کہ جتنی اشیاء ازلی مانی جاتی ہیں سب اکاش کے سہارے

قائم ہیں۔ اگر آکاش نہ ہو تو یہ بھی نہ رہیں۔ اب دیکھئے اسی کتاب کے صفحہ ۲۵۳ پر آکاش کی نسبت کہتے ہیں:۔ "مہاپرلے کے وقت آکاش بھی فنا ہو جاتا ہے"

اگر اس حوالہ کو دیکھ کر کوئی آریہ تاویل کرنی چاہے۔ تو اور لیجئے دیکھئے۔ صفحہ ۱/۲ یجروید ۱/۳ یجروید ۱/۳ بھوبکا اردو مشتملہ، یہاں لکھا ہے کہ آکاش پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ بات تو مسلمہ ہے کہ جو پیدا شدہ ہے وہ ناش ہوگی۔ پس جب آکاش کا ناش ہونا ثابت ہو گیا تو روح کا ناش ضروری ٹھہرا۔ کیونکہ سوامی جی نے خود ہی لکھا ہے۔ کہ آکاش اگر نہ ہو تو روح و مادہ کہاں ٹھہریں پس جب مکان نہ رہا تو مکین کیسے رہ سکتا ہے۔ ظرف کا ہونا مظروف کے لئے ضروری ہے۔ اس سے بھی یہی نتیجہ نکلا کہ روح ازلی نہیں۔ بلکہ حادث و فانی ہے۔ اس طرح پر بھی کہ ازلی مکین کا مکان بھی ازلی چاہیئے۔ مگر روح کا کوئی مکان ازلی ثابت ہی نہیں۔ اس جگہ آریہ صاحبان کے ایک اعتراض کا جواب دینا بھی ہم ضروری خیال کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ جب "روح مخلوق ہے۔ تو ابدی نہیں ہو سکتی۔ اگر ابدی ہے تو ازلی ضروری ہوگی۔ اس اعتراض کا جواب ہم چند لفظوں میں دیتے ہیں۔ دیکھئے

معلول کا وجود علت کے تابع ہوتا ہے۔ جیسے انسان کا فعل انسان کے ارادہ کے تابع۔ پس اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات جو قیوم العالمین ہے اپنے فعل قیام میں مختار ہے۔ جبتک چاہے کسی چیز کو اپنی ربوبیت و قیومیت سے سرفراز رکھے۔

اور بھی بہت سے دلائل و براہین روح کے مخلوق ہونے پر ہم پیش کر سکتے ہیں۔ مگر ایک حق پسند انسان کے لئے یہ بھی کافی سے وافی ہیں۔ پھر کبھی انشاء اللہ بقایا دلائل بھی انشاء اللہ ہدیہ ناظرین کر دیئے جائیں گے۔ آخر میں ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے اُس خالق دوجہان کی درگاہ میں نہایت عاجزی سے یہ دعا کرتے ہیں۔ کہ مولا کریم تو ہمارے آریہ بھائیوں کو اسلام کے چرنوں میں آنے کے لئے توفیق دے۔ جیسے پہلے ہندوستان میں ان میں سے سات کروڑ کے قریب نکل کر بچے موحد بنگئے۔ اور سلامتی میں داخل ہو گئے۔ اب انکو بھی موحد بنا پہلی نسل بت پرستی کرتی تھی اور توحید سے کوسوں دور تھی یہ بھی تیری ذات کیطرح اور چیزوں کو ازلی ٹھہرا کر تیری ذات و صفات کے شریک بناتے ہیں اے مولا کریم تو انھیں صراط مستقیم دکھا تا انسانی فلسفہ کو چھوڑ کر تیرے بیان کردہ

فلسفہ پر جو قرآن شریف میں مرقوم ہے عمل پیرا ہوں - آمین (فضل حسین احمدی مہاجر قادیان)

کیا روح و مادہ ازلی ہیں

آریہ صاحبان کا عقیدہ ہے کہ روح و مادہ انادی ہیں - اور خود بخود بغیر خالق کے چلے آتے ہیں - جس طرح خدا غیر مخلوق ہے - اسی طرح روح و مادہ بھی غیر مخلوق ہیں -

اعتراض آریہ صاحبان کے مذکورہ بالا عقیدہ صحیح ماننے سے دو نقص لازم آتے ہیں - پہلا نقص تو یہ ہے - کہ خدا تعالےٰ کے ساتھ شرک لازم آتا ہے - کیونکہ جس طرح خدا خود بخود اور قدیم سے چلا آتا ہے - اسی طرح روح و مادہ بھی واجب الوجود ہیں - اس لئے وہ بھی خدا ہوئے - تو اس طرح تعدد آلہہ لازم آیا - جو کہ محال ہے - پس مستلزم محال بھی محال ہوا - یعنی روح و مادہ کو انادی ماننا - حالانکہ شریک الباری تمام علماء منطق کے نزدیک ناممکن اور محال ہے - (۲) پھر ایک اور نقص لازم آتا ہے - کہ جب روح و مادہ واجب الوجود اور خدا ٹھہرے اس لئے کہ وہ اپنے وجود میں کسی کے محتاج نہیں - اور جو اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہ ہو وہی خدا ہوتا ہے - تو اب وہ چیز جو کہ ان دونوں سے مرکب ہوگی وہ بھی تو خدا اور واجب الوجود ہونی چاہئے - مثلاً ۲ دو عدد ہیں اور ۳ بھی عدد ہیں - ان دونوں عددوں یعنی ۲ دو و ۳ کے ملانے سے جو حاصل ہوگا وہ بھی عدد ہوگا - اسی طرح روح و مادہ جبکہ واجب الوجود اور خدا ٹھہرے تو ان سے جو مرکب ہوگا وہ بھی وہی صفات رکھتا ہوگا - اس سے لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ تمام حیوان خدا ہیں - اس لئے کہ وہ روح و مادہ سے بنے ہیں - جو کہ واجب الوجود ہیں - اور تعدد خداؤں کا محال ہے - اس لئے مستلزم محال بھی محال ہوا -

دوسرا نقص اس عقیدہ کے ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ محتاج ثابت ہوتا ہے - جیسے - مثال کے طور پر ایک پنسل ہے - جو کہ دو چیزوں لکڑی اور سکہ سے مرکب ہے - اور ایک شخص اس کو ترکیب دینے والا ہے - پس اب ہم کہتے ہیں کہ لکڑی اور سکہ موجود تھا تو مرکب نے اس پنسل کو بنا دیا - اگر لکڑی اور سکہ موجود نہ ہوتا - اور معدوم ہوتا تو لازمی نتیجہ بر تقدیر عدم وجود لکڑی

وسکہ کے یہ نکلتا کہ وہ پنسل نہ بنا سکتا۔ تو معلوم ہوا کہ پنسل بنانے میں وہ پنسل بنانے والا لکڑی اور سکہ کا محتاج ہے۔ بعینہ اسی طرح روح و مادہ کی بات ہے۔ کہ روح و مادہ موجود تھے۔ تو خدا نے اُن کو انسان وغیرہ بنا دیا۔ اور بر تقدیر عدم موجودگی روح و مادہ کے نتیجہ یہ نکلتا کہ خدا حیوانات کیا دنیا کی کوئی چیز بھی پیدا نہ کر سکتا۔ پس معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ روح مادہ کا موجودات کے پیدا کرنے اور موجود کرنے میں محتاج ہے۔ اور جو محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ خدا مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے اور کسی کام میں وہ غیر کا محتاج نہیں۔ اور اس کے لئے تمام صفات کا حصول بالفعل ہے۔ اور روح و مادہ کو پیدا کرنا اور عدم سے وجود میں لانا بھی ایک کمال ہے۔ اور ہر ایک کمال خداوند تعالیٰ کو حاصل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ روح و مادہ کا خالق خدا ہے۔ ورنہ خدا مستجمع جمیع صفات کاملہ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ وہ صفت (یعنی عدم سے وجود میں لانا) جو اس کے لئے ثابت نہیں تو یا تو وہ اُس صفت کے حاصل کرنے میں دوسرے کا محتاج ہوگا۔ یا اُس کو خود بخود حاصل ہوگی۔ اور کسی کا محتاج نہیں ہوگا۔ پس پہلی صورت میں وہ دوسری شے جس سے کہ خدا کی وہ صفت حاصل ہوئی ہے اس کے لئے علت ہوگی۔ یا آگے اس نے کسی اور سے حاصل کی ہوئی ہوگی۔ اسی طرح الی غیر النہایہ ہوگا۔ تو اس صورت میں دور یا تسلسل لازم آئیگا جو کہ محال ہے۔ یا اس نے کسی اور سے حاصل کی ہوئی نہ ہوگی۔ تو اس صورت میں شریک الباری لازم آئیگا۔ جو کہ محال ہے۔

پس دوسری بات کہ اس کو تمام صفات حاصل ہیں اور کسی صفت کے حصول میں غیر کا محتاج نہیں صحیح ہے اور تمام فلسفی اسی بات پر متفق ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے اور کوئی کمال اس سے باہر نہیں۔ فظہر المطلوب

پھر آریہ صاحبان ایک اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اگر روح و مادہ انادی ہیں اور تناسخ نہیں ہوتا تو دنیا میں اختلاف کیوں ہے۔ اور کیوں بعض لوگ امیر ہوتے ہیں اور بعض غریب اور خدا تمام کو رزق یکساں کیوں نہیں دیتا۔ اور بعض کو حیوان کیوں بنایا ہے۔ اگر انھوں نے پچھلی جون میں کوئی گناہ نہیں کئے۔ پس ثابت ہوا کہ دنیا میں کسی کا گدھا کسی کا بیل اور انسان ہونا ان کے گناہ یا نیک کاموں کی وجہ سے ہے۔ انتہیٰ

جواب اول۔ آریہ صاحبان پہلے یہ بتلائیں کہ اگر دنیا کی اشیاء کا مختلف ہونا گناہوں یا نیک کاموں کے باعث ہے۔ تو ہم سوال کرتے ہیں۔ کہ پہلے پہل جبکہ خدا تعالےٰ نے روح و مادہ کو ترکیب دی تو مندرجہ ذیل چار صورتیں ہو سکتی تھیں۔

اول یہ کہ خدا تعالےٰ نے تمام کو انسان ہی بنا دیا تھا

دوسری یہ کہ بعض کو انسان اور بعض کو حیوان بنایا تھا۔ بغیر ان کے کسی قسم کا عمل کرنے کے

تیسری صورت یہ ہے کہ روح و مادہ نے اپنے الصاق بالغیر سے پہلے کوئی عمل کئے تھے جن کی پاداش میں ان کو انسان یا حیوان بنا دیا گیا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے ان کو پیدا کیا اور ہر ایک کے لئے ان کے مطابق عمل تجویز کیا۔

پس پہلی تینوں صورتیں بوجوہ کثیرہ باطل ہیں۔

ابطال صورت اول۔ اس طرح ہے کہ تمام کا انسان ہونا مستلزم محال کو ہے۔ اس لئے کہ انسان کے قوام کے لئے غلہ کی ضرورت ہے۔ اور غلہ بغیر زراعت کے ہو نہیں سکتا۔ اور زراعت بغیر بیلوں کے نہیں ہو سکتی۔ پس انسان کے زندہ رہنے کے لئے بیلوں کا وجود ضروری ہوا اسی طرح اور دوسری اشیاء جن کی انسان کو ضرورت ہے

ابطال صورت ثانی اس طور سے ہے کہ خدا تعالیٰ کا بعض کو گدھا بعض کو انسان بعض کو گھوڑا بغیر گناہ و نیک عمل کے بنا دینا بقول آریہ صاحبان کے صریح ظلم ہے۔ پس شق ثانی سے خدا تعالیٰ (نعوذ باللہ) ظالم ٹھہرتا ہے۔

ابطال صورت ثالث پہلے روح و مادہ نے علیحدہ علیحدہ عمل کئے ہوئے تھے جن کی پاداش میں کسی کو گدھا کسی کو گھوڑا کسی کو بیل کسی کو انسان بنایا گیا۔ پھر اس پر اعتراض یہ ہے۔ اگر روح و مادہ علیحدہ علیحدہ عمل کرتے تھے۔ تو ان کو ملانے کی ضرورت کیا پیش آئی اور نیز انہوں نے اپنے میں نقص کیوں روا رکھا۔ اور خدا کی ماتحتی اختیار کر لی۔ اس لئے کہ ماتحتی ایک نقص ہے حالانکہ جو روح و مادہ سے مرکب (آریہ صاحبان) ہیں وہ اپنے میں حتی الامکان کوئی عیب روا رکھنا نہیں چاہتے۔ پھر دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ روح جسم سے علیحدہ رہ کر کوئی عمل

نہیں کر سکتی۔ اور نہ ہی جسم روح سے علیحدہ رہ کر۔ بلکہ دونوں کا اتصال ضروری ہے۔

پس جب تینوں صورتیں باطل ہو گئیں تو چوتھی صورت کہ اس نے روحوں اور مادہ کو پیدا کیا ہے۔ صحیح ہے۔ مثلاً بیل ہے اس کا انتہائی کام آبپاشی وغیرہ ہے اور انسان کا انتہائی کام کیا ہے۔ وہ یہ کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے آپ کو لگا دے۔ اور دنیا سے انقطاع الی اللہ کرے مال وغیرہ جمع کرنا نہیں۔ کیونکہ وہ آخر مرگ کے وقت یہیں چھوڑنا پڑتا ہے۔ اور اعمال ہی آگے کام آتے ہیں۔ جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں نے انسان کو پیدا ہی اس واسطے کیا ہے کہ وہ میری عبادت کرے۔ اور پھر ہر ایک کے لئے اس کی طاقت کے مطابق عمل بتایا ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا خدا کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر عمل نہیں بتاتا۔

دوسرا جواب اس بات کا کہ تمام کو رزق خدا تعالیٰ یکساں کیوں نہیں دیتا۔ کیوں بعض کو زیادہ بعض کو کم دیتا ہے۔

خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے له مقالید السموات والارض یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر انه بکل شیءٍ علیم۔ اسی کے لئے زمین و آسمان کی کنجیاں ہیں۔ جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔ اور وہ ایک کے لئے تنگ اور ایک کے لئے فراخ کرنیکا حقدار ہے۔ کیونکہ وہ ہر ایک کے مستقبان و مضر کو جانتا ہے۔ پھر آگے سورۃ شوریٰ کے تیسرے رکوع میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض ولکن ینزل بقدرٍ ما یشاء انه بعبادہ خبیر بصیر۔ اگر اللہ تعالیٰ رزق کو پھیلا دے اپنے بندوں کیلئے اور تمام کو یکساں دیدے تو پھر نتیجہ اس کا یہ نکلے کہ لوگ زمین میں بغاوت کریں۔ اور دنیا ایک گھنٹہ کیلئے بھی قائم نہ رہ سکے۔ پس دنیا کا بقا برتقدیر مساوات کلی کے نہیں رہ سکتا۔ وہ لوگ نادان ہیں جو ایسا سمجھتے ہیں کہ تمام کو رزق یکساں ملنا چاہیئے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے ینزل بقدر ما یشاء انه بعبادہ خبیر بصیر کہ خدا تعالیٰ خبیر اور بصیر ہے تمام کے حالات سے واقف اور اپنے بندوں کے تمام حرکات و سکنات کو دیکھتا ہے پس پھر ایک کو اس کے اعمال کے موافق رزق دیتا ہے۔ جیسا کہ وہ چاہتا ہے نہ کہ کسی کچھلے جنم کے گناہ یا نیک عمل کے بدلے میں جیسا کہ جواب اول میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ اختلاف اعمال کی وجہ سے نہیں ہوا۔ والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ

جلال الدین
از سیکھواں

شمع ہدایت کے پروانے
یا
تیغ عشق کے قتیل

(۱)

عالم تیرہ و تار ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہیں دیتا۔ آندھیاں اٹھتی ہیں گرد و غبار سے دنیا بھر گئی۔ آفتاب رسالت غروب ہو چکا۔ تارے ماند پڑ گئے۔ بلکہ آسمان سے ٹوٹ کر گر پڑے۔ گرے اور گر کر پیوند زمین ہو گئے۔ روحانی عالم میں ایک ابتری پھیلی ہوئی ہے۔ میدان طریقت میں قدم رکھنے والے گرتے پڑتے ڈگمگاتے پھر رہے ہیں۔ تاریکی کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے سر پھٹول ہو رہے ہیں۔ آسمانی پانی کی تلاش ہے۔ آنکھیں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی ہیں ہر طرف العطش العطش کی پکار ہے۔ گرمی انتہا کو پہنچ گئی۔ مخلوق کی بیچارگی کی کوئی حد نہ رہی۔ دن بھر کے تھکے ہارے رات بھر کے پریشان تکان کے مارے رات کے آخری حصہ میں دراز ہو گئے۔ دراز ہوتے ہی سو گئے۔ کچھ ایسے غافل ہو کر سوئے کہ ؏ چناں خفتہ اند کہ گوئی مردہ اند

(۲)

صبح کا سپیدہ ظاہر ہو گیا۔ اور دمشق کے عین شرق کی طرف منارہ بیضاء کے پاس سے ایک آواز بلند ہوئی ؎

قوم کے لوگو ادھر آؤ کہ نکلا آفتاب وادئ ظلمت میں کیا بیٹھے ہو تم لیل و نہار

نیند کے ماتے کچھ ایسے نہیں سوئے تھے کہ فوراً جاگ اٹھتے۔ یہ آواز یہیں ختم نہیں ہو گئی بلند ہوئی اور سارے ایک دنیا میں حشر برپا ہو گیا۔ نیند کے متوالے لڑکھڑاتے ہوئے اٹھے۔ اور ایک دوسرے پر عالم مدہوشی میں گرنے لگے۔ یہ آواز اس زمانہ میں بر پا ہونے والے نبی اللہ المسیح الموعود المہدی المعہود مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تھی۔ اس آواز پر

سب سے پہلے جو شخص ہشیار ہوا وہ شمالی پہاڑوں کے حاکم کا طبیب تھا۔

ذرا اس پہاڑی حاکم کے دربار کی سیر کرو۔ علم و حکمت کے دفتر کھلے ہوئے ہیں۔ جدید و قدیم علوم کے ماہرین اپنے اپنے درجہ پر جمے بیٹھے ہیں۔ حاکم کی سطوت و جبروت کا سایہ ان علم کے علم برداروں پر ایسا پڑا ہے کہ حاکم کی ہر بات پر آمنا و صدقنا کہہ رہے ہیں۔ گویا کہ ان کا تارِ نفس اس کے ہاتھ میں ہے۔ جو آواز چاہتا ہے۔ ان کے منھ سے نکلواتا ہے۔ اس زمرہ میں ایک بلند بالا بسطۃ فی العلم والجسم کا مصداق انسان بیٹھا ہے۔ مگر بخلاف ان سب کے اس کی آن بان ہی اور ہے۔ وہ نہ دوسروں کی طرح زرق برق لباس میں لپٹا ہے۔ نہ ہر بات پر آمنا و صدقنا کہتا ہے۔ سب کی نظریں اپنے اس ہمعصر پر پڑتی ہیں۔ جب وہ بولتا ہے۔ تو ہر ایک کی بات کاٹ کے رکھ دیتا ہے۔ حتیٰ کہ حاکم کو بھی ایسے طریق پر قائل کرتا ہے کہ اسے اپنی غلطی مان کر اس بزرگ کے سامنے جھک جانا پڑتا ہے۔ سارے ہندوستان میں اس کی دھوم ہے علم ابدان میں اس کی مہارت کا شہرہ ہر جگہ ہے۔ اس کے علم و فضل کا پھریرا دور تک لہراتا نظر آتا ہے۔

یہ اسی پہاڑ پر مقیم ہے کہ وہ آواز اس کے کان میں پہنچتی ہے۔ اس آواز سے چونکتا ہے اور ادھر متوجہ ہوتا ہے۔ اٹھتا ہے اور اس آواز کی طرف چل پڑتا ہے۔ اللہ کے منادی کے پاس آتا ہے اور آخر وہ جس کا سرکار علم میں سکہ چلتا تھا اپنے ہتھیار اس کے سامنے ڈال دیتا ہے۔ بادشاہوں کے درباروں کو چھوڑتا۔ اور اس کے دروازے کے سامنے ایک جھونپڑا بنا لیتا ہے۔

اب اس کی حالت ہی اور ہے۔ یا تو وہ وقت تھا کہ بادشاہوں کے دربار میں امرا کی سرکار میں علماء کی انجمن میں بلند مقام پر بیٹھتا تھا یا اب یہ وقت ہے کہ اس بظاہر فقیر اور بباطن ملک حقیقت کے شہنشاہ کے دربار میں آتا ہے۔ اور سب سے پچھلی صف میں بیٹھ جاتا ہے۔ اور فخر کرتا ہے کہ مجھ کو یہاں جگہ مل گئی۔ وہ گردن جو بادشاہوں کے دربار میں امرا کی سرکار میں کبھی خم نہیں ہوئی۔ اس روحانیت کے شہنشاہ اور سلطان القلم کے دربار میں جھکی ہوئی ہے۔ وہ زبان جو علماء کے گروہ فضلاء کی مجلس میں بند نہ تھی بلکہ دوسروں کو بند کر دیا کرتی

تھی خاموش ہے۔ وہ جو شاہی محلات میں رہا کرتا تھا۔ اس خدا کے فقیر کے دروازے کے سامنے کچے جھونپڑے میں رہتا ہے۔ آنکھیں بند ہیں اور جھکی ہوئی ہیں۔ کان مسیحا کی آواز پر ہیں۔ اُس نے پکارا اور اُس نے لبیک کہا خدا نے اس موہوب کو قبول کیا صف پائیں سے (جس میں یہ خود بیٹھتا تھا) اٹھایا اور اپنے مسیح کی مسند خلافت پر بٹھا دیا۔

جب یہ دنیا میں اس طرح ساتھ رہا۔ گویا تنفس کے ساتھ حرکت نبض تھا۔ پھر کیسے ہو سکتا تھا کہ محب محبوب سے علیحدہ ہوتا۔ بہشتی مقبرہ میں آؤ تمہیں دکھاؤں کہ پیارا پیارے کے دائیں پہلو میں محو خواب ہے۔

کچھ سمجھے کہ یہ کون تھا یہ نورالدین اعظم تھا

(۲)

وہ آواز جس نے بلند ہو کر دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ اور جس نے نورالدین کو پہلی ہی بار شمالی پہاڑ کی چوٹیوں سے کھینچ بلایا تھا۔ اونچے اونچے پہاڑوں دشوار گذار دروں پر سے ہوتی ہوئی شمال و مغرب کی سنگلاخ سرزمین میں پہنچی وہاں پہنچکر بلند ہوئی۔ اور بلند ہو کر پھیلی۔ اور خاندان سیادت کے شاہزادے۔ علم و عمل کے بادشاہ طریقت اور تصوف کے گلفام کے گوش دل میں جا داخل ہوئی۔

یہ لطف و محبت کا پتلا اس خونخوار ملک میں ایسی ادب و عقیدت کی نظروں سے دیکھا جاتا کہ ایک بادشاہ کے مرنے پر دوسرے کی تاجپوشی یمن و سعادت کے حصول کے لئے اس پاکباز انسان کے ہاتھوں کرائی جاتی۔ علم و فضل کا چتر اس کے سر پر زہد و تورع اس کے جلیس۔ توحید و سنت کا یہ علم بردار امیر و فقیر کا یہ مرجع سو جتنی اس سے رام ہوتے علم و ہدایت کے پیاسے اس سے فیض پاتے۔

وہ جس کے دل کو مشرق سے بلند ہونے والی آواز نے اپنا نشیمن بنا لیا ہے۔ اسے میٹھے میٹھے درد۔ لذت انگیز درد۔ اور کیف افزا خلش نے مجبور کر دیا کہ کسی اپنے معتمد کو ہند میں مبعوث ہونے والے مسیحا کے پاس بھیجے۔ اس کا معتمد آیا۔ منار بلند سے آواز بلند کرنے والے کو دیکھا

اور واپس جاکر چشم دیدہ حالات من وعن کہہ سنائے۔

اب قرار کس کو آتا۔ جذبات شوق نے سینہ میں تلاطم پیدا کردیا۔ دل پہلو سے غائب اور آنکھیں دیار محبوب کیطرف لگ گئیں۔ کھویا ہوا دل ذرا کی ذرا واپس آیا۔ اور مشورہ دیا۔ اٹھ کھڑا ہو۔ اور اپنے آپ کو مسیحا کے قدموں میں جا ڈال۔

وہ آیا اور آکر کچھ سے کچھ ہوگیا۔ راز و نیاز کی باتیں ہوئیں۔ آتش عشق الٰہی جو دبی ہوئی تھی بھڑک اٹھی۔ ماسوی اللہ کو جلاکر راکھ کرگئی۔ آنکھیں تھیں اور آنسوؤں کی جھڑیاں ایک مجذوبیت کا عالم طاری ہے۔ سمجھ میں آتا ہے تو زبان بند ہے۔ آنکھیں کھلی ہیں آنسوؤں کے موتی بے اختیار گر گر کر زمین میں لے جاتے ہیں۔ چشم پُر اشتیاق ایک لمحہ کے لئے رخ زیبا سے الگ نہیں ہوتی۔ اس کو دیکھتا ہے۔ آہیں بھرتا زبان کا کام آنکھوں سے لیتا ہے۔ غرض مدعا کرتا ہے۔ شوق بے پایاں کی لہریں اٹھتی ہیں۔ اور کسی اور ہی عالم میں بیجاتی ہیں۔ جب تک یہ شمع سامنے ہے پگھلتا رہتا ہے۔ شمع آنکھوں سے اوجھل ہوئی اور بے اختیارانہ حالت میں اٹھا اور اپنے جائے قیام پر آگیا۔

اس کا شب و روز یہی مشغلہ ہے۔ آخر محبوب رب العالمین سے اجازت لے کر عازم وطن ہوتا ہے۔ مسیحا اکرام ضیف کے لئے جانے والے عزیز کے ساتھ ساتھ ہے۔ علیحدگی کا وقت قریب آگیا۔ اور مسافر کے دل نے مچلنا شروع کیا۔ آنکھوں نے دل کی چغلی کھائی آنسوؤں نے شہادت دی جذبات محبت نے غلبہ پالیا۔ قوۃ ضبط نے ساتھ چھوڑ دیا۔ مسافر مسیحا کے قدموں میں گر پڑا۔ پیارے مسیحا نے اسکو اٹھایا گلے سے لگایا۔ بادل اندوہگین مرخص ہوا۔ وطن میں پہنچا۔ ظالم پہلے سے ہی کمین میں تھے اسنے مسیح کے نام کی منادی شروع کردی۔ پتھریلی زمین میں تخم صداقت بونا شروع کردیا۔ مخالفت نے زور پکڑا اعلاؤں کی آتش حسد نے بھڑک اٹھنے کے لئے موقع کو مناسب جانا۔ شاہ وقت کے پاس شکایات کے گھوڑے دوڑائے۔ شاہی پیادے آئے۔ کشتۂ عشق کو حراست میں لیا۔ دار الحکومت کی راہ لی۔

اس شمع ہدایت کے پروانے نے گھر والوں کو وصیت کی کہ یہ سرزمین صداقت قبول کرنے

کے لئے میرا خون لینا چاہتی ہے۔ میں جانتا ہوں اور ظالموں کے ہاتھوں حق کے لئے قربان ہوتا ہوں۔ میرا غم نہ کرنا۔ کہ میں مرونگا نہیں۔ بلکہ میرے سر کو تن سے اور روح کو جسم سے الگ کر کے جان آفرین ایک اور زندگی دینا چاہتا ہے۔

ظالموں نے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں۔ اور پیروں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ اس نے کہا۔ تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں بھاگ جاؤنگا۔ میں بھاگتا نہیں۔ اگر سر سے پیروں تک کی کھال بھی اُتار لوگے۔ تو ان لبوں سے اُف نہیں نکلیگی۔ غرض ظالم ظلم آفرینی کے لئے اس کو لئے جاتے ہیں۔ اس کے چہرہ پر کوئی حزن نہیں۔ کچھ ملال نہیں۔ بلکہ خوش ہے۔ اور چہرہ زبان حال سے بتا رہا ہے کہ عاشقوں کی آزمائش اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ پھر جب میں اس کوچہ میں آیا ہوں کیوں گھبراؤں۔ کیوں نہ خوشیاں مناؤں۔ جانتا ہوں کہ خون میں نہانا عشق صادق کی دلیل ہے۔ ؎

دل بنی ترسد مبر تو مرا از موت ہم ❊ پائیداری ہا ببیں خوش میروم تا پائمار

اسی شان سے بادشاہ کے دربار میں جاتا ہے۔ فقیہوں اور فریسیوں کا مجمع ہے جو جبہ و دستار کے بوجھ تلے دبے جاتے ہیں۔ کتابوں کے ڈھیر سامنے رکھے ہوئے ہیں۔ گروہ مخالف میں پہلے اشارے ہوتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ گفتگو ہو کر اس کو مخاطب کرتے ہیں۔ اس کے پاس صرف اللہ کی کتاب قرآن ہے۔ کہ مخالف مولویوں کو اس کا بھی اس کے پاس ہونا گوارا نہ ہوا وہ بھی چھین لی۔ آخر مباحثہ شروع ہوا۔ مناظرہ میں مولوی دم بخود ہو جاتے ہیں۔ مگر فتوے بازی کے ہتھیار لے کر میدان تظلم میں بڑھتے ہیں۔ اور اپنے ہتھیار استعمال کرتے ہیں ملاؤں کے شور و شر سے متاثر ہو کر بادشاہ قید خانہ میں ڈال دیتا ہے۔ ہر روز شاہی نقیب جاتا ہے کہ **قادیانی** کو چھوڑ دو پہلے سے زیادہ عزت دونگا۔ اس کا ایک ہی جواب کہ مال وجان عزت وآبرو سب سے بڑھکر ایمان ہے۔ یہ چیزیں جائیں مگر ایمان بسلامت رہے۔ میں اس کو دیکھ آیا ہوں۔ وہ جھوٹا ہو تو دنیا میں سچا کوئی نہیں۔ جان دیدونگا مگر اس کے دامن کو نہیں چھوڑونگا۔ جو تمھارے جی میں آتا ہے کرو۔ چالیس دن گذر گئے جانثار اپنی بات پر قائم ہے جبہ و دستار کے بندے تلے ہوئے ہیں۔ کہ کب اس کے خون سے اپنے ہاتھ رنگیں۔ میدان حشر قائم کیا جاتا ہے۔ شہر میں منادی کرائی

جاتی ہے۔ اکابر و اراذل۔ کمہ و مہ جمع ہوتے ہیں۔ ایسے مجرم کو (جو خدا کے نزدیک ایک نبی کا صحابی ہے۔ اور جس کی جان لاکھوں جانوں پر بھاری ہے) میدان میں لاتے ہیں۔ وہ اسی استقلال سے آتا ہے اس کا چہرہ اندرونی طمانیت کی شہادت دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اب بھی قادیانی کو چھوڑ دو جواب ملتا ہے کہ وہ تو سچا ہے۔ سچوں کو چھوڑنا جھوٹوں کا کام ہے۔ آخری وقت ہے اگر تم کہو تو دو رکعت ادا کر لوں۔ وہ اجازت دیتے ہیں۔ دیر تک سر بسجدہ رہتا ہے۔ سلام کے بعد کہتا ہے۔ کہ جی چاہتا تھا۔ کہ اسی حالت میں جان دوں مگر تمہارے خیال سے سلام پھیر دیا۔ اچھا تم اپنے خنجر آزماؤ۔ میری گردن سلامت ہے۔ اشارے کے ساتھ ہی اس صادق پر پتھروں کا مینہ برستا ہے۔ لیکن وہ کوہ وقاری سے پتھر سینہ و سر پر کھاتا ہے۔ اور جان جان آفریں کو سپرد کر دیتا ہے۔ ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن ❊ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

محبوبِ محب کی جان سپاری کا پر درد نوحہ لکھتا۔ اور کہتا ہے:۔ "اے عبداللطیف تیرے پر ہزاروں رحمتیں کہ تو نے میری زندگی میں ہی اپنے صدق کا نمونہ دکھایا۔ اور جو لوگ میری جماعت میں سے میری موت کے بعد رہیں گے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کریں گے"۔ ؎

آں جوانمرد و حبیب کردگار ❊ جوہر خود کرد آخر آشکار

نقد جاں از بہر جاناں باختہ ❊ دل ازیں فانی سرا پرداختہ

پر خطر ہست ایں بیابان حیات ❊ صد ہزاراں اژدہا اش بر جہات

صد ہزاراں آتشے تا آسمان ❊ صد ہزاراں سیل و خونخوار و دمان

صد ہزاراں فرسخے تا کوئے یار ❊ دشت پُر خار و بلائش صد ہزار

بنگر ایں شوخی ازاں شیخ عجم ❊ ایں بیاباں کرد طے از یک قدم

(۴)

اب میں جس سرفروش کا ذکر کرنے والا ہوں۔ اس کا نام مولوی) عبدالرحمٰن تھا جسے مولانا سید عبداللطیف شہید نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بھیجا تھا۔ وہ آیا اور حضور کے فیض سے فیضیاب ہوا۔ یہاں کچھ عرصہ رہا۔ آخر اپنے وطن پہنچا۔ وہ عشق جو

دل میں پوشیدہ تھا۔ اس نے پسند نہ کیا کہ اس کو چھپائے رکھے۔ ؎

متاع مہر رخ تو نہاں نخواہم داشت   کہ خفیہ داشتن عشق تو زغداریست

اس لئے کہا کہ لوگو خدا کا مسیح آگیا جس کو قبول کرنا مسلمانوں کا فرض ہے۔ کیونکہ خدا اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد ہے۔ تم آسمان کی طرف کیا دیکھتے ہو وہ تو زمین ہند میں برپا ہوا ہے ؎

آں مسیحا کہ بر افلاک مقامش گویند   لطف کردی کہ ازیں خاک نمایاں کردی

لوگوں کی آنکھیں تو آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ جب اُنھوں نے یہ آواز سُنی کہ مسیح آگیا۔ اور ہندوستان میں آگیا۔ جوش مخالفت میں بھر گئے۔ اور جوش سے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ اس شخص کو کچل ڈالیں۔ شاہ وقت کے کان بھرے۔ اور جا و بیجا غصہ کہہ سُنائے یہ خود حاکم کے پاس گیا۔ اور کہا کہ مجھکو کہتے ہیں کہ میں مخبر ہوں۔ اور مسیح موعود کی کتابیں میرے پاس ہیں۔ پہلی بات سچ ہے اور دوسری غلط اس کو ماخوذ کرکے قید میں ڈال دیا گیا۔ آخر ایک رات آئی جس میں اُنھوں نے مسیح موعود کے اس پروانہ کی جان لینے کا فیصلہ کر لیا مگر اس کے لئے اُنھوں نے تیر و تفنگ۔ کلوخ و سنگ اور تیغ و تبر سے کام نہیں لیا۔ بلکہ رات کے سناٹے میں ظالم اس محبس میں گئے۔ جس میں خدا کے نبی کا وہ صحابی محبوس تھا۔ اُنھوں نے اس کا تنفس بند کر دیا جس سے روح گھٹ گھٹ کر جسم سے پرواز کر گئی۔ ؎

یوں اپنی جان دیجے کہ آہ و فغاں نہ ہو   جل بجھیے اس طرح سے کہ مطلق دھواں نہ ہو

(حضرت مولنا سید عبد اللطیف اور مولنا عبد الرحمٰن دونوں کی شہادت کے تذکرہ میں حضرت مسیح موعود نے ایک مستقل کتاب "تذکرۃ الشہادتین" کے نام سے تالیف فرمائی تھی۔ جس کا فارسی ایڈیشن آجکل بھی ملتا ہے۔ اس کتاب کو مولنا عبید اللہ بسمل نے حضرت کے ایماء سے اردو سے فارسی میں منتقل کیا تھا۔ رفیق شہاب)

(۵)

میرے ساتھ آؤ۔ تمھیں قادیان کے چھوٹے سے قصبہ کی تنگ اور پیچیدہ گلیوں کی سیر کراؤں۔ مسجد اقصیٰ سے جنوب کی طرف برہمنوں کے مکانات کے پچھواڑے ایک گوشہ میں

ایک مکان واقع ہے۔ اس کی زیبائش کی طرف دھیان کرو۔ چند ٹوٹی ہوئی چٹائیاں بچھی ہیں۔ ایک چٹائی پر ایک بوسیدہ سا کپڑا بچھا ہے۔ عربی زبان کے مختلف علوم وفنون کی چھوٹی کی کتابیں بے ترتیب اوپر تلے گڈ مڈ ہوتی پڑی ہیں۔ کچھ دوائیوں کی شیشیاں اسی فرش پر اور الماری میں رکھی ہیں۔ ایک نورانی بزرگ سر جھکائے قلم ہاتھ میں کاغذ زانوؤں پر دوات دائیں طرف رکھے ہوئے استغراق کے عالم میں بیٹھا ہے۔ اس کے قلم کو دیکھو کاغذ پر کیا کیا سورتی اور معنوی گلکاریاں کر رہا ہے۔ لکھتا ہے۔ اور لکھتے لکھتے رک کر قلم کے آخری حصہ کو ہونٹوں سے دباتا ہے۔ کبھی کان پر رکھ لیتا ہے۔ اور کتابوں میں سے کوئی ایک کتاب اٹھا کر ورق گردانی کرتا ہے۔ ایک مقام پر ٹھہر جاتا ہے۔ اور چہرے پر کامیابی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر قلم کو سنبھال کر لکھنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ جب کوئی بیمار یا کوئی اور شخص اس کے پاس آتا ہے۔ اپنا مشغلہ تحریر چھوڑ کر بیمار کو نسخہ یا دوا دیتا ہے۔ اور دوسرے ملاقاتی سے اخلاق ومحبت سے ایسی باتیں کرتا ہے۔ کہ اس کو اپنا بنا لیتا ہے۔ اس کی باتوں میں ایسا کیف اور ایسا سرور ہے۔ کہ سننے والا ہمہ تن گوش ہو کر محو ہو جاتا ہے۔ وہ ہر ایک شخص سے خواہ کیسا ہی (ادنیٰ درجہ کا) کیوں نہ ہو اس گرمجوشی اور لطف ومدارات سے ملتا ہے کہ ملنے والے کو اپنی نسبت کچھ غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ کہ شاید مجھ میں بھی کوئی کمال ہے جو یہ شخص اس احترام کے ساتھ ملتا ہے۔ لیکن اس کی غلط فہمی کسی دوسرے سے ملکر فوراً رفع ہو جاتی ہے۔ اور اسے فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ کہ یہ وسعت اخلاق اور لطف ومدارات اسی شخص سے مخصوص ہے۔

ملنے والے مسیح موعود کے وقت میں کہا کرتے کہ آپ اس بزم قدسی میں زیادہ کیوں نہیں جاتے اس کے جواب میں وہ یہ شعر سنا دیتا ہے۔ ؎

زاہد نہ داشت تاب جمالِ پری رخاں ٭ دستنے بردکشید ودعارا بہانہ ساخت

کبھی کہتا ہے بابا! میرا مسلک اور ہے۔ اور تمہارا اور۔ تم کیا جانو۔ وہ جس کے ساتھ خدا باتیں کرتا ہے۔ ہم کب اس کے اہل ہیں کہ اس کے سامنے بیٹھ جائیں۔

خلیفہ اولؓ کے آخری ایام میں جماعت کے ہر کہہ ومہ کی زبان پر یہ سوال ہے۔ کہ اب کون خلیفہ ہوگا۔ اس کے سامنے بھی یہ سوال آتا ہے۔ سائل کچھ نام بھی لیتا ہے۔ لیکن یہ

جواب دیتا ہے۔ ؎

عشق بازاں مرید خوبان اند ٭ پیر ایں قوم نوجواں باشد

قادیان آنے سے پہلے اس کا ایک شہر میں قیام ہے۔ مخالفت کی یہ کیفیت ہے کہ حاکم تک کا دل صاف نہیں۔ ادنیٰ و اعلیٰ سب نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ ملنے والوں اور ساتھیوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ دوستوں نے آنکھیں پھیر لیں۔ غریب الوطنی کا عالم ہے۔ کوئی یار ہے نہ کوئی غمگسار۔ در و دیوار تک مخالفت پر آمادہ ہیں۔ فقط خدا پر توکل اور خدا کے مسیح کا عشق دل میں ہے۔ بازاروں سے گذرتا ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے۔ کوئی کچھ جتنے منہ اتنی باتیں۔ بچہ بچہ کی زبان پر "قادیانی" کتا" ہے۔ مگر یہ خدا کا مخلص بندہ اس لفظ سے اظہار ملال کیا فخر کرتا ہے۔ کہ الحمد للہ مسیح موعود سے کچھ تو تعلق ہے۔ آوازوں سے گذر کر بعض جگہ اینٹ پتھر تک نوبت پہنچتی ہے۔ آخر وہ دن آتا ہے کہ مصائب انتہا کو پہنچے۔ دنیاوی حکومت پر غرور کرنے والے کے اشاروں پر ایک افسر رات کے وقت آکر گھر کو گھیر لیتا ہے۔ جو وہ کر سکتا ہے۔ کرتا ہے۔ اور اتراکر اس مرد حق کو کہتا ہے۔ "جا اپنی مدد پر کسی کو بلا لو وہ تمہیں میرے چنگل سے چھوڑائے۔ اس نے کہا "انما اشکوا بثی و حزنی الی اللہ میری نظر انسان پر نہیں۔ میرا بھروسہ اس پر ہے۔ جو تمہارے ظلم اور میری مظلومیت کو جانتا ہے۔ تم دیکھو گے کہ وہ میری کیسی مدد کرتا ہے"۔ زمین باوجود فراخ ہونے کے اس پر تنگ کر دی گئی۔ اس لئے اس نے اس شہر کو چھوڑ دیا۔ وہ جس نے اسے کہا تھا کہ اپنی مدد پر کسی کو بلا لو۔ مورد عتاب ہوا۔ موت کا شکار ہوا۔ اس کی اولاد بُرے حالوں سے زندگی کے دن بسر کر رہی ہے۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ مدینۃ المسیح میں آجاتا ہے۔ اور کہتا ہے ؎

شکر للہ کہ دادہ اند مرا ٭ جا بزیر منارۂ بیضا

حضرت مسیح موعود کا جب ذکر آتا ہے۔ تو کہتا ہے "مسیح موعود کی صداقت کے نشانات مجھ سے پوچھو"۔ پھر وہ وجد میں آکر بیان کرتا ہے۔ خود ضبط سے بیان کرتا ہے۔ سننے والوں کو مزا آتا ہے۔ اس کا علم و فضل ایسا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود کی تائید میں ایک کتاب آیۃ خاتم النبیین کی تفسیر میں لکھی ہے۔ خلیفہ وقت اس کو پڑھتا ہے۔ اور اس کی تعریف میں

رطب اللسان ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ آج تک ہمارے سلسلہ میں کسی نے ایسی کتاب نہیں لکھی" فارسی زبان میں وہ علو حاصل ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود اس کی ایک نظم سن کر فرماتے ہیں کہ "ان کا کلام تو فردوسی کے کلام کا نمونہ ہے" خود کہتا ہے ؎

از مسیح اللہ گشتم فیضیاب | یافتم فردوسیٔ ثانی خطاب

تم سمجھے! کہ یہ کنج تنہائی میں رہنے والا مسیح موعود کا پروانہ کون ہے۔ اس کا نام (مولانا) عبید اللہ بسمل امرتسری ہے۔

(۶)

مسجد مبارک سے بہشتی مقبرہ کو جاتے ہوئے مدرسہ احمدیہ کے دفتر کے پاس ایک نہایت چھوٹی سی کوٹھڑی ہے۔ اس میں کوئی ستر برس کی عمر کا ایک بزرگ تہمد باندھے۔ کرتا کندھوں پر ڈالے مونڈھا بچھائے۔ عینک لگائے۔ قرآن شریف زانوؤں پر لئے بیٹھا ہے۔ گوری رنگت ہے سفید داڑھی۔ بڑی بڑی آنکھیں نظر قرآن پر ہے۔ آواز میں غنغناہٹ ہے۔ مکان کا نقشہ یہ ہے کہ ایک طرف چارپائی بچھی ہے۔ اس پر بستر ہے۔ ایک گوشہ میں اُپلے پڑے ہیں۔ مونڈھے کے سامنے چولھا ہے۔ چولھے کے پاس راکھ کا ڈھیر۔ کوٹھڑی کا فرش گرد آلودگی کی حد سے گذر چکا ہے۔ کوٹھڑی کے ایک گوشہ میں ایک گز چوڑا ڈیڑھ گز لمبا ایک چبوترہ سا ہے جس پر بے قرینہ اور بے ترتیب چند مٹی کے برتن پڑے ہیں۔ جن میں متفرق اشیاء ہیں۔ چولھے پر چائے یا سالن کی دیگچی چڑھی ہے۔ کوٹھڑی میں دھوآں بھرا ہے۔ یہ بزرگ اسی طرح بیٹھا ہے۔ قرآن کو بند کر کے دیگچی کو کبھی دیکھ لیتا ہے۔ اس کی موجودہ حالت سے ایک سطحی نظر کا انسان دھوکہ میں پڑ جاتا ہے۔ کہ جانے کیوں یہ اس بڑھاپے میں اس طرح تکلیفیں اٹھاتا ہے۔ مگر اس سے پوچھو تو وہ اس حالت پر خوش ہے۔ کہتا ہے۔ کہ "یہ میرے آراموں کا کفارہ ہے۔ عمر بھر عیش و تنعم میں گذرا۔ قبل اس کے کہ کوئی تلخی آئے خود ہی تلخی کی زندگی اختیار کر لی ہے" کہتا ہے "تم جانتے ہو کہ میں کیوں یوں رہتا ہوں۔ تم خیال کرتے ہوگے کہ شاید میرا گھر در نہیں۔ شاید تمہارے ذہن میں ہے کہ میرا کوئی نہیں۔ یہ تمہارا خیال غلط۔ میرا گھر ہے اور میں نے خدا کے فضل سے بہتوں کو گھر والا کر دیا۔ میرے عزیز بھی ہیں جو مجھ پر اپنی جان

چھڑ کتے ہیں۔ لیکن تم سچ سمجھو کہ اس جھونپڑی میں جو کچھ ہے وہ ان محلوں میں نہ تھا۔ ان محلوں میں رہکر میں خدا کے مسیح سے دُور تھا۔ اب میں اس کے دروازہ کے سامنے ہوں۔ جانتے ہو میں نے یہ دھونی کیوں رمائی ہے؟ یہ اس کا فراق ہے۔ افسوس وہ تو چلا گیا۔ ہمیں یہیں چھوڑ گیا۔" یہ کہتے کہتے اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پھر کہا کہ ایک زمانہ تھا کہ مسیح موعود بٹالہ میں تھے۔ اتفاق مجھے بھی بٹالہ میں لے آیا۔ براہین شائع ہو چکی تھی۔ عیسائیوں سے بحث مباحثہ ہوتے تھے۔ عیسائیوں نے حضرت مسیح موعود سے کہا کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ کو خدا کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔ ہم ایک مضمون لکھکر لفافہ میں بند کر دیتے ہیں۔ آپ اپنے الہام سے وہ مضمون ہمیں بتا دیں۔ مسیح موعود نے کہا کہ ہمیں منظور ہے۔ ہم خدا سے دعا کریں گے۔ اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ خدا مضمون کے ساتھ الفاظ بھی ہمیں بتا دیگا۔ مگر شرط یہ ہے کہ پادری صاحبان کو اسلام قبول کرنا پڑے گا۔ پادری اس مقابلہ پر نہ آئے۔ حضرت مسیح موعود کا اس طرح اسلام کی طرف سے سینہ سپر ہونا ہمارے لئے ایک ایسی بات تھی کہ سب سے الگ ہو کے آپ کے ہی پیچھے ہو لئے۔

[illegible] کی بات ہے کہ یہ بزرگ سخت بیمار ہو گئے۔ زیست کی کوئی اُمید نہ تھی۔ اسی کوٹھڑی میں جس میں اب ہیں پڑے تھے۔ رشتہ داروں کو خبر پہنچی دوڑتے ہوئے آئے۔ اور کہا کہ گھر چلو جواب دیا کہ "میں تو اس لئے یہاں آیا تھا کہ میرا دم یہاں آکر آخر ہو اور تم مجھے گھر لیجاتے ہو۔ جب وہ وقت جس کی مجھکو تمنا تھی یہی ہے۔ تو میں کیسے جا سکتا ہوں"۔ نمازوں کے بعد قرآن کی تلاوت ہے۔ یا حضرت مسیح موعود کے کلام کا ورد ہے۔ ۵۰ روپیہ ماہوار پنشن کے آتے ہیں جن میں سے کچھ صرف اپنے ماہوار خرچ کے لئے رکھ لیتا ہے۔ تحدیث بالنعمت کے طور پر ذکر کرتا ہے کہ مسیح موعود کے ساتھ ہر جگہ رہے ہیں۔ سوائے دو جگہ کے کہ حضور نے ساتھ جلنے سے روک دیا تھا۔ حضرت مسیح موعود نے اپنی کتاب ازالہ میں ان کے متعلق فرمایا ہے کہ "منشی صاحب محبت اور خلوص اور ارادت میں ایک زندہ دل آدمی ہیں۔ سچائی کے عاشق اور سچائی کو بہت جلد سمجھ جاتے ہیں ..... میں خیال کرتا ہوں کہ ان کو اس عاجز سے ایک نسبت عشق ہے۔

حق تو یہ ہے کہ محبت انہی لوگوں کی ہے۔ پہچاننے والوں نے پہچان لیا ہوگا۔ کہ اس بندگ کا نام منشی روڑے خاں کپورتھلوی (پنشنر تحصیلدار) ہے

(۸)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمان خانہ کے شمالی و مشرقی گوشہ میں ایک کوٹھڑی ہے کواڑ کھلے ہوئے ہیں۔ مگر بانس کی کھڑکی سے دروازہ بند ہے۔ اس میں ایک چارپائی ہے جس پر کپڑے کی بجائے چٹائی بچھی ہے۔ اس پر ایک افغانی وضع کے معمر شخص آلتی پالتی مارے ہوئے بیٹھے ہیں۔ کچھ افغان بوڑھے اور جوان جو قادیان میں حصول ایمان اور تحصیل دین کے لئے آئے ہیں اردگرد جمع ہیں۔ کسی کو قرآن شریف ناظرہ پڑھا رہے ہیں کسی کو ترجمہ کسی کو حدیث اور کسی کو حضرت اقدس کی کتب۔ جب تعلیم و تعلم سے فارغ ہوتے ہیں۔ تو خود قرآن یا حضرت اقدس کی کوئی کتاب لے بیٹھتے ہیں۔ ان کے روحی مقام ہی نمازوں کے وقت مسجد میں اور باقی اوقات اس کوٹھڑی میں بسر کرتے ہیں۔ مسجد میں آتے ہی خاموش بیٹھتے ہیں۔ راستہ میں چلتے ہیں تو نظر نیچی اور راست و چپ سے بے تعلق ہوتی ہے۔ شب و روز خاموشی میں کٹتے ہیں۔ اگر کوئی ملنے کے لئے اس کوٹھڑی میں جائے تو اس سے نہایت خندہ پیشانی اور پیار سے ملتے ہیں۔ اس سے گفتگو کرتے ہیں۔ مگر مسیح موعود کی گویا وہ اور باتیں جانتے ہی نہیں۔

آپ مولانا شہید سید عبداللطیف کے شاگرد مولانا سید عبدالستار افغانی ہیں۔

(۹)

نورالدین اعظم دنیا میں نہیں رہا۔ لیکن اس کے فیض یافتہ دنیا میں موجود ہیں۔ وہ جماعت جو مسیح موعود کے خلیفہ اول ہیں بھی ان میں بیشک نہ ہو۔ لیکن ہر ایک شاگرد کسی نہ کسی بات میں اپنے عظیم الشان استاد کا تلمیذ رشید ہے۔ جس کو دیکھ کر ممکن نہیں کہ اگر آپ نے نورالدین اعظم کو دیکھا ہے۔ تو اس کی خصوصیات کا نقشہ آنکھوں میں نہ پھر جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ نورالدین کے شاگرد مولوی غلام محمد کا قصہ سناؤں۔ امرتسر کی گلیوں میں ایک شخص طالبعلمانہ حیثیت میں پھرتا ہے۔ مسیح موعود کا آوازہ اس کے کان میں پہنچا ہے۔ کسب مال کے لئے کچھ سامان بھی ہے۔ جس کی تجارت سے پیٹ پالتا ہے۔ اس سامان

سے دست بردار ہو کر دارالامان میں پہنچتا ہے۔ مسیح کا اشارہ پا کر نور الدین کی شاگردی میں آتا اور دینی علوم میں محو ہو جاتا ہے۔ اس نے جو کچھ حاصل کیا وہ یہی دو باتیں ہیں۔ سادگی اور طب۔ اس کے لباس کو دیکھو کبھی سر ننگے پھرتا نظر آتا ہے۔ اور کبھی دو پلیا ٹوپی سر پر ہے۔ کبھی ایک آدھ گز موٹے جھوٹے کپڑے کی پگڑی باندھے ہوئے ہے۔ اور کبھی کچھ ایک کھدر کا کرتا ہے۔ اور کھدر کا تہ بند جوتے کا بھی خاص اہتمام نہیں۔ کبھی پیر دل میں ہیں اور کبھی نہیں۔

طالبعلم آتے ہیں۔ طب پڑھتے ہیں۔ غریب لوگ کس مپرس اپاہجوں کا علاج اس کے فرائض میں ہے۔ مریض کا پتہ لگا اور یہ اس کے گھر پہنچا۔ نبض دیکھی۔ مریض کا معائنہ کیا۔ نسخہ لکھ دیا۔ اگر کوئی دوائی لانے والا نہیں۔ خود ہی بازار سے دوائی خرید کر پہنچا دی۔ اگر پیسہ بھی نہیں تو اپنے پاس سے دوائی دینے میں تامل نہیں۔

باتوں کا زیادہ شوق نہیں۔ حفظ مراتب تو شے دیگر ہے۔ چھوٹے بڑے کو "حضرت حضرت" کر کے پکارتا ہے۔ نظریں زمین سے سلی رہتی ہیں۔ بازار میں چلنے میں ایک کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ گوشہ میں بیٹھا ہے۔ اور سب توقعات کو منقطع کر چکا ہے۔ دست بستہ لوگوں نے چاہا کہ اس کو سو سینکڑے دیں تو صاف انکار کر دیا۔ کہ میں محتاج نہیں حاجتمندوں کو دو"

جب دیکھا تو ان تین شغلوں میں ہی پایا۔ طلباء کو پڑھانے میں نسخے لکھنے اور غریب مریضوں کے علاج میں۔ یا فرصت ہے، تو حضرت مسیح موعود کی کتب کے پڑھنے میں۔

(۱۰)

ان سطور میں جس مسلمانوں کے لیڈر کا افسانہ رنگین آپ کے سامنے پیش کرنے کو ہوں اگرچہ آپ اسے ان علقوں کی صف پائیں میں دیکھتے ہیں۔ لیکن وہ اپنی کئی خصوصیات سے مسیحائے موعود کے دربار دُربار میں ہمیشہ صف اول میں نظر آیا کیا۔

قادیان کی مسجد مبارک ہے۔ اس میں خدا کے جمال کا مظہر مسیح موعود تشریف فرما ہے۔ خدام پروانہ وار اس شمع ہدایت کے ارد گرد جمع ہیں۔ لیکن یہ بلبل بوستان قدس اور شاخ

طوبیٰ کا ہزار نغمہ سنج ہے کوئی شرعی مسئلہ پیش ہوا۔ حضرت مسیح موعود نے علماء سلسلہ سے اس کے متعلق دریافت فرمایا۔ ان سب نے اپنی رائیں اور تحقیقات حضور میں عرض کردیں۔ حضرت مسیح موعود اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ مولوی محمد احسن آپ کی کیا رائے اور تحقیق کیا ہے۔ شاید تم خیال کروگے کہ اس سب نے پہلو بدل کر اپنی تحقیقات کے بیان میں کتب علیق کے حوالجات کے استناد کے سماں باندھ دیا گیا ہوگا۔ مگر ایسا نہیں وہ اپنی تمام راؤں اور تحقیقاتوں کو پیچھے ڈال دیتا ہے اور بے اختیارانہ عرض کرتا ہے "حضور میری رائے وہی ہے۔ جو حضور کی رائے ہو" اتنا کہہ کر خاموش ہوجاتا ہے۔ مسیح کے حضور بعض لوگ آتے ہیں۔ اور اپنی طول کلامی سے وقت کے اکثر حصہ پر قبضہ کرلیتے ہیں۔ ہمارا ناز کس طرح مسلمانوں کا لیڈر کہتا ہے کہ "لوگو تم کیا کرتے ہو جس کی راہ ہم تیرہ سو برس سے دیکھ رہے تھے وہ اب آیا ہے۔ تم اس کی باتیں سننے نہیں دیتے اپنی سناتے ہو"

دربار مسیحائی برخاست ہوتا ہے۔ اور دربار الٰہی کی تیاریاں شروع ہوجاتی ہیں۔ الٰہی دربار کا نقیب خدام بارگاہ ایزدی کو دعوت دیتا ہے کہ حی علی الصلوٰۃ دربار میں بار پانے والے بیت اللہ میں حاضر ہوگئے۔ امت محمدیہ کا امام تمام ائمہ کا قائم مقام بلکہ مجھے کہنے دیجیے کہ تمام انبیاء کرام کا مظہر تام یعنی مسیح احمد بھی دربار میں ہے۔ اب وہ وقت ہے کہ تحیہ صلوٰۃ حضور الٰہی میں پیش کیا جائے۔

حضرت امام امامت کے لیے اس مسلمانوں کے لیڈر کو منتخب کرکے نماز اسی کی اقتدا میں ادا فرماتے ہیں۔ اس کی قرآن خوانی اس کی تجوید اس کی قراءت دیکھنا۔ آواز کے سطوت و جلال شوکت کو دیکھنا۔ قراءت کی حلاوت اور کیف انگیزی پر غور کرنا دربار الٰہی میں ہر کہ و مہ دست بستہ کھڑا ہے۔ سب پر ایک ربودگی کا عالم طاری ہے۔ ایک سکون ہے۔ مگر تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد رکوع و سجود میں آہ و گریہ کی آوازیں بلند ہوجاتی ہیں اور بس۔

نماز ختم ہوچکی۔ کوئی جلسہ ہے یا کوئی اور تقریب۔ تم اس کے خطبہ کو سنو کہ ہزاروں کا مجمع اس کی آواز پر قلبی تواجد ناقص کو جبراً بھی روک نہیں سکتا گھنٹے گزر جاتے ہیں اس کی آواز میں خفیف سی بھی کمی اور کمزوری نہیں پیدا ہوتی۔ تم دیکھتے ہو کہ ہزاروں کا مجمع

مرقع تصویر بنا بیٹھا ہے۔ گھنٹے گزر گئے مگر نہ کوئی حس ہے۔ نہ حرکت دل کا تقاضا یہ ہے کہ بولنے والا بولتا چلا جائے۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں آج بھی [illegible] سلسلہ حقہ میں ہی نہیں بلکہ غیروں میں بھی ہیں جنہوں نے اس کی خداداد آواز کے معجزات دیکھے ہیں۔ زمانہ لاکھ کھینچ کھینچ کر چاہتا ہے کہ لوگوں کو اس کی آواز بھلا دے۔ مگر سب اسکو دیکھنے اور اس کے خطبہ کو سننے والے بھول نہیں سکتے

اس کے لیکچر سننے کا تو اب وقت نہیں رہا۔ مگر اس کی تحریریں اب بھی صفحہ قرطاس پر موجود ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لغت ہاتھ باندھے سامنے کھڑی ہے۔ وہ الفاظ کے دستے کے دستے انتخاب کرتا ہے۔ وہ سطروں کی صفوں میں مرتب کر دیتا ہے۔ پڑھنے والے کے دل میں جو جذبات اور کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔ وہ جرأت اور دلاوری کے سوا کچھ نہیں۔ اس کا قلم رفض شکن تھا۔ اس کی "خلافت راشدہ" بقول شیعہ ایک "شمشیر براں" ہے۔ وہ خدا کے دربار میں ہم سے پہلے گیا تھا۔ اور پھر کیا ہوگیا۔ مجھ سے مت پوچھو مسیح موعود کی زبان سے سنو۔

کے تواں کردن شمار خوبی عبدالکریم — آں کہ جاں داد از شجاعت بصراط مستقیم
حامی دیں او کہ یزداں ناصر او لیڈر نشاں — عارف اسرار حق گنجینۂ دین قویم
صدق ورزید و بصدق کامل اخلاص خویش — مورد رحمت شد و در گرد رب علیم
گرچہ جنس نیکواں ایں چرخ بسیار آورد — کم بزاید مادرے با ایں صفا دُرِ یتیم
مدتے در آتش ہجر فرو افسردہ بود — ایں کرامت بیں کہ از آتش برآمد سلیم
زیں عجب تر آنکہ او در صحبتم در چند روز — مظہر اسرار حق شد عارف راز قدیم
گوہرش چوں آب و تابے داشت از مہر رسا — ہرچہ با گفتیم داخل شد دراں طبع فہیم
دل بدرد آمد ز ہجر ایں چنیں یکرنگ دوست — لیک خوشنودیم بر فضل خداوند کریم
مشربش چوں بود اخلاص و وفا و اتقا — شد مصافش ہمدیں تاریخ از فضل حکیم

۱۳۲۴ھ

(خاکسار مہر محمد خاں شہاب مالیر کوٹلوی)

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۔ یہ خداوند عالم نے اپنے محبوب رسول انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کی شان میں فرمایا۔ جو کچھ ان بزرگوں نے خدا سے عہد کیا وہ پورا کر دکھایا۔ انہی میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی مراد پا چکے۔ بحق واصل اور بعض وہ جو ابھی منتظر ہیں۔ اور جس آستانہ قدس پر جبہ سا ہوئے تھے۔ اس سے پھر نہیں گئے۔ جس روش پر ان کے رہنما نے انھیں چلایا اس پر استقلال واستقامت سے جادہ پیما ہیں۔ جب ہمارا ایمان ہے کہ اس پاک نبی کی بعثت ثانیہ بھی روز ازل سے ہزار ششم میں مقدر تھی۔ تو یقیناً اس آیت کے مصداق سلسلہ احمدیہ میں بھی ہونے چاہئیں۔ چنانچہ ان کے نورانی چہرے آنکھیں دیکھتی ہیں۔ اور ان کے افسانہ ہائے رنگین کان سنتے ہیں۔ محبی جناب شہاب نے گلشن احمد کے کچھ پھول انتخاب کئے اور ان سے ایک گلدستہ بنا کر بتحفۂ محفل مودت منزل احباب وذوی الالباب کر دیا۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ اس سے اپنے مشام جان کو تازہ کریں۔ اور دماغ میں وہ ہوائے شوق بھریں۔ جس کی کامیاب عشق ہوں ۔

کامیابی رہ حق میں ہے مسلم ان کی ۔ جو فنا ہو کے سزاوار بقا ہوتے ہیں

یہ نقش قدم ہمارے لئے منزل محبوب تک پہنچانے کے لئے بہت کار آمد ہیں دیکھنا مٹنے نہ پائیں۔ بلکہ ایسا ہو کہ ابھریں اور ابھر کر آسمان شہرت کے مہتاب بلکہ آفتاب بنیں۔ نادانوں نے رسول کے قدم کا نشان پتھر پر بنایا اور پھر اس پر نعت خوانی شروع کر دی اور نہ سمجھے کہ یہ تصویری زبان میں ایک ہدایت تھی۔ خدا کے برگزیدہ رسول کے نقش قدم پر چلنے کی۔ میرے دوستو بنظر بازخمگان دیار شوق کے حالات زبان کے چٹخارے لینے کے لئے نہیں۔ بلکہ اس لئے کہ آپ بھی ان کے فیض کمالات سے بہرہ اندوز ہوں جسے دنیا دیوانگی سمجھتی ہے۔ آپ اسے فرزانگی جانیں ۔

دانش بخت ہے سیدنا شوق کا نام ۔ لوگ دیوانہ نہ سمجھیں ترے دیوانے کو

آہ وہ عہد خوشتر گذر چکا کہ جس کی یاد میں میری زبان پر جاری رہتا ہے۔

ہو کے سیراب کرم دل سے دعا دوں ساقی ۔ ایک بار اور بھی بھر دے مرے پیمانے کو
فرقت یار میں گھنگھور اٹھی ہے جو گھٹا ۔ اشک خوں آنکھ بھی آمادہ ہے برسانے کو
دل یہ کہتا ہے میں ہوں درد محبت کا غلام ۔ جس نے آباد کیا ہے مرے ویرانے کو
روح کہتی ہے مرا جان ہے وہ نور جمال ۔ کر دیا جس نے منور مرے کاشانے کو

[illegible]

بشارات القرآن

(سلسلہ کے لئے دیکھو تشحیذ ماہ مئی ۱۹۱۳ء)

پیشگوئی نمبر ۸۰

الٓمٓصٓ o کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ o

ترجمہ مقطعات کا یہ ہے انا اللہ اعلم۔ صادق القول۔ صادق الوعد نے قرآن نازل کیا طرف تیری۔ پس نہ ہو کبھی تیرے سینے میں اُس سے تنگی۔ تاکہ ڈراوے تو ساتھ اس قرآن کے منکرین کو۔ اور اُمم سابقہ کے حالات یاد کرا بطور نصیحت کے مومنین کو

اس آیت میں اللہ نے دو پیشگوئیاں فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ تو اہل مکہ کو قرآن کی مخالفت میں آنے والے عذاب سے ڈرا کہ کتاب اللہ و نبی اللہ کی عداوت میں قدیم سے کیا سنت اللہ ہے۔ اُسے یاد کرو۔ دوم یہ کہ مومنین جو مصائب پر مصائب و اذیت پر اذیت جھیلتے ہیں اُن کو پہلے مومنین کے حالات یاد کرا۔ کہ اُن سے اللہ نے کیا سلوک کیا تھا۔ ویسا ہی تمہارے ساتھ کیا جائیگا۔ سو بحمد اللہ کفار بے نشان ہوگئے۔ اور مومن بادشاہ بن گئے۔

پیشگوئی نمبر ۸۱

اعراف ع۱۔ وَکَمْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَکْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَیَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ o

ترجمہ۔ اے اہل مکہ غور سے سنو) کہ کتنی بستیاں ہلاک کیں ہم نے۔ جب آیا اُن کے پاس عذاب ہمارا۔ رات کو سوتے وقت یا (وہ جب) دوپہر کو سو رہے ہوں۔

آیت ہذا کی خبر بطور پیشگوئی کے اہل مکہ کو سنائی گئی۔ کہ تمہاری بستی پہلے ہلاک ہونے والی بستیوں سے دور نہیں ہے۔ اگر تم نے بھی ہمارے رسول اور ہماری وحی کی بجائے عزت و عظمت کے مخالفت کی۔ تو اب بھی وہی خدا موجود ہے۔ ضرور وہ اپنی سنت قدیمہ جاریہ کے موافق سلوک کرے گا۔ سو کیا گیا۔

پیشگوئی نمبر ۸۲

اعراف ع۲ قَالَ اَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝

ترجمہ کہا ابلیس نے اے میرے خدا مجھے ڈھیل دے یوم البعث تک۔ فرمایا تجھے ڈھیل دی گئی ہے۔

آیت ہذا میں پہلے شیطان کی خواہش کا بیان کیا گیا ہے۔ کہ مجھے یوم البعث تک ڈھیل دی جائے۔ اور بعث سے بعثت نبوت محمد اور بعثت امام آخرالزماں حضرت مسیح موعود علیہ السلام مراد ہے۔ پس یہ پیشگوئی ہے کہ اس شیطان رجال لعین کا سر حضرت مسیح موعود کے ہاتھ سے کچلا جائیگا۔ سو کچلا گیا۔ جلسہ مذاہب لاہور میں اس کا خاتمہ کیا گیا الحمد للہ والمنۃ

پیشگوئی نمبر ۸۳

اعراف ع۴ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝

ترجمہ ہر ایک جماعت اور اُمت کے لئے ایک حد تک وقت مقرر ہے۔ پس جب وہ اپنی وقت مقررہ تک پہنچ جاتی ہے تو ایک گھڑی کم و زائد نہیں کی جاتی ہے تو ایک گھڑی کم و زائد نہیں کی جاتی

آیت ہذا میں اہل مکہ کو بطور پیشگوئی کے سنایا جاتا ہے۔ کہ تمھارا وقت مقرر ہو چکا ہے۔ کیونکہ ہم نے ایک دوسری اُمت کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ اور جس طرح ہم نے پہلی امم کا خاتمہ کر دیا۔ اور نئی اُمت کو ان پر مسلط۔ کامیاب مظفر و منصور کر دیا۔ اسی طرح اگر تم نئی اُمت میں نہ ملے تو تمھارا بھی خاتمہ ہوگا۔ سو ایسا ہی ہوا۔

پیشگوئی نمبر ۸۴

اعراف ع۴۔ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

ترجمہ نزول وحی کے وقت) جس نے اپنے تئیں بچا لیا مخالفت سے اور اپنی اصلاح کر لی ایسے لوگوں پر نہ کوئی خوف ہوگا۔ اور نہ کوئی غم۔ اور جنھوں نے وحی اللہ کی تکذیب کی۔ اور تکبر سے اعراض کیا۔ یہی لوگ طعمۃ النار الحرب ہونگے۔ اور پھر النار (جہنم) میں ہمیشہ رہیں گے۔ جیسے یہ دنیا کی نار الحرب

اور سزا جو اہل مکہ کو دی گئی۔ حشر کی سزا در نار پر گواہ ہے۔ جس خدا نے ہر دو وعدوں میں سے ایک پورا کر کے دکھا دیا۔ وہ ضرور دوسری جز وعدہ کی بھی پوری کرے گا۔

درس الحدیث

(از افاضات سیدنا اولوالعزم)

حدیث۔ صدقۃ ابن الفضل۔ من شہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ وان محمداً عبدہ ورسولہ الخ کئی حدیثوں میں ایسا ذکر آیا ہے۔ کہ یہ عمل اگر کوئی کریگا تو پھر جو جی چاہے کرے۔ وہ جنت میں چلا جاویگا۔

اگر در اصل یہی بات ہو تو اس سے قرآن کریم کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے کہ اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ یہ قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے۔ اگر اس کے یہی معنی کئے جاویں۔ اس لئے اس کے یہ معنی تو ہو نہیں سکتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح رض (خلیفہ اول رضی اللہ عنہ) فرمایا کرتے تھے۔ کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ بھی ایک عمل جنت میں داخل ہونے کے لئے ذریعہ ہے۔ میں نے اس پر غور کیا ہے۔ میرا اپنا عقیدہ اس کے متعلق یہ ہے۔ کہ جس کا ایمان ایسا کامل ہو اس کے اعمال کبھی ناقص نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ گندوں اور بدکاریوں پر مستعد ہوتے ہیں۔ اور پرہیز نہیں کرتے ہیں۔ خدا پر ایمان ہی نہیں ہوتا۔ جس زمانہ میں مسلمانوں کے ایمان درست تھے۔ اس وقت ان کے اعمال بھی صالح تھے اور اعلیٰ تھے۔ تو اس سے مراد یہی ہے کہ ایمان ٹھیک ہو تو اعمال خود بخود سنور جاتے ہیں۔

ہندوؤں میں یہ اعتقاد ہے کہ دو خدا ہیں۔ ایک شو۔ ایک برہمو۔ دونوں کے الگ الگ کام ہیں۔ ایک کا مارنا ایک کا جلانا۔ دو باپ بیٹے تھے۔ باپ مارنے والے کا معتقد تھا۔ اور بیٹا زندہ کرنے والے کو مانتا تھا۔ باپ نے بیٹے سے کہا کہ تم بھی اس کو مان لو بیٹے نے انکار کیا۔ باپ نے اپنے خدا سے شکایت کر کے بیٹے کو مروا دیا بیٹے کے خدا کو غصہ آیا۔ اس نے کہا ہو گا کون

ہے۔ میرے معتقد کو مارنے والا۔ اس نے جھٹ جلا دیا۔ ادھر ان کو غصہ آیا۔ اسے اسنے پھر جلا دیا اس نے پھر جلا لیا۔ اسی طرح وہ لڑتا رہے۔ وہ جلاتا رہے۔ اب جن کے اعتقاد اور ایمان ایسے ہوں۔ ان کے اعمال بھلا کیسے درست رہ سکتے ہیں۔ لیکن ایک لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ کہنے والا۔ اور اس پر ایمان رکھنے والا۔ ایمان میں کمزوری نہیں دکھلائیگا اور ممکن ہی نہیں کہ وہ برے افعال کرے۔ ہاں ایک صورت ہو سکتی ہے۔ کہ وہ شریعت جو آگے پیش کی گئی ہے۔ وہ غلط طریقے سے پیش کی گئی ہو...... لیکن جو ایسے عقائد کا قائل نہ ہو۔ بلکہ وہ لا الہ الا اللہ پر ایمان رکھتا ہو تو اسے خدا کا ڈر اور نیکی کے رستہ کا پتہ لگ جاتا ہے۔ ہاں اگر باوجود اس عقیدے کے مرنا اور حشر و نشر پر اور جنت و نار پر ایمان نہ ہو تو پھر بھی ایسا آدمی اعمال صالح نہیں کریگا۔ ابن مریم کا ذکر اس لئے کر دیا کہ لوگ اس کے نام پر کثرت سے شرک کرتے تھے۔ اس شرک سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے اسکا ذکر کیا

تصوف

(ایک پرانی نایاب قلمی منظوم مثنوی سے (صرف تشحیذ کے لئے)

جبر۔ چیست از سایۂ پژمردنست — چوں شگوفہ از ہوے افسردنست
مکر چیست از زہر حلوا کردنست — وانگہ آں حلوا ز سودا خوردنست
امن چیست از جاں طمع ببریدنست — خویش را چوں سایہ بیجاں دیدنست
ذل چیست از نفس پاک افتادنست — زیر پاے سگ چو خاک افتادنست
عز چیست از ننگ خود گردیدنست — در مقر خویش خود را دیدنست
صدق چیست از راستی بہ بودنست — وز کمانے سر بسر زہ بودنست
کذب چیست از تیغ نفع جوشیدنست — تیر را اندر کماں پوشیدنست
حرص چیست از جہل گرد آوردنست — پس چوں شود کوہے بزیرش مردنست
دنیا چیست از راہ سر پیچیدنست — بانجاست مشک در پیچیدنست

مثنوی معارف اسلام میرے ایک عزیز ہیں۔ ان کے ابا نے مثنوی معارف اسلام شائع کی ہے جس کے جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں۔ کاغذ چکنا۔ حجم سرکاری کتب کی تقطیع پر ۱۰۲ صفحے خط کچھ ایسا اچھا نہیں۔ مضامین کے موٹے موٹے عنوان یہ ہیں حمد۔ نعت۔ شان مسلم۔ دور مشرکانہ۔ دور موحدانہ۔ شجرۂ اسلام۔ نظام اسلام (مساوات حریت قرآن۔ ایمان وعمل۔ علم وتوحید) وسعت اسلام۔ حب وطن۔ حب اللہ۔ مسلم کا نصب العین مؤلف نے ان عنوانوں کے نیچے اپنے پاکیزہ اور قابل عملدرآمد خیالات نظم کئے ہیں۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ بچوں کے لئے مفید ہے۔ کیونکہ اس میں عربی کے مشکل الفاظ ہیں۔ البتہ لکھے پڑھے عربی سے اُنس رکھنے والے لوگوں کے لئے مفید ہے۔ نظم قابل داد۔ تاہم کئی اشعار نظر ثانی کے قابل ہیں۔

(۱) کہ تھا مسلم جہان کا اُستاد (۲) جاں جہاں تھا محمد احمد و بس (۳) خالصًا للّٰہ جنبش و تسکین (۴) سور مبنی و چند رجنسیت (۵) قدر وجبر کا قافیہ صفحہ ۱ (۶) لاشریک لہ علان کی (۷) کافۃ للناس ہے ترا پیغام (۸) ہیں رہ حق ہی مشق قربانی (۹) مرنا اور رونا کا قافیہ صفحہ ۲۱ (۱۰) غضب و غیظ موسیٰ کی تعلیم (۱۱) تھے وہ اوصاف حسنہ سے موصوف (۱۲) عدل اور فضل کا قافیہ صفحہ ۴۳۔ اس قسم کے کئی مصرعے ہیں جنہیں میں غلط نہیں کہتا۔ قابل نظر ثانی ضرور ہیں قیمت آٹھ آنہ جو بہت زیادہ ہے۔ مؤلف کا پتہ :۔ مولوی الف دین نفیس۔ بی۔ او۔ ایل کیمبل پور

آیت المہدی حصہ اوّل مولوی ابو احمد رحمانی محمد علی کانپوری نے حدیث ان لمہدینا آیتین پر اعتراض کیا ہے۔ اور اسے ضعیف ٹھہرایا ہے۔ ہمارے مکرم بھائی مولوی عبدالماجد صاحب بھاگلپوری نے اس کی توثیق کی ہے۔ اور بتایا کہ یہ نشان صرف ہمارے مہدئ صادق کے لئے ظاہر ہوا مفصل ریویو پھر ہوگا۔

تبلیغ رسالت جناب میر قاسم علی صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعود کے تمام اشتہارات کا مجموعہ دس جلدوں میں شائع کرنیکا ارادہ کیا ہے۔ جلد اول پریس سے نکلنے والی ہے۔ ایک روپیہ کی قیمت ہو احباب سنقش خریدار بن کر یہ نعمت عظمیٰ حاصل کریں۔ میر صاحب نے احمدی رسالے کے دوبارہ اجرا کا بھی ارادہ کیا ہے مطلوبہ درخواستیں پوری ہوجائیں تو نکلے۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۵

پین ہیلر

یہ ہر قسم کے اندرونی اور بیرونی درد۔ موچ۔ چوٹ۔ گٹھیا کے سبب جوڑوں۔ یا گانٹھوں میں ریاح یا سردی کے سبب کمر کا درد۔ جکڑ۔ گردن یا اینٹھن وغیرہ سے جیسا بھی درد ہو پین ہیلر کی مالش سے فوراً جاتا رہتا ہے۔ قیمت فی شیشی ۱۲ار محصول ڈاک ۵ر دیکھئے جناب یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم اپنے اخبار مورخہ ۷۔ اگست ۱۹۱۵ء میں کیا لکھتے ہیں۔

ڈاکٹر ایس کے برمن کا کامیاب علاج

مجھے ڈاکٹر ایس۔ کے برمن کے متعلق ایک سے زیادہ مرتبہ الحکم میں لکھنا پڑا ہے۔ لیکن آج میں دلی شکرگذاری کے ساتھ ان کے کامیاب علاج کا ذکر کرتا ہوں۔ ناظرین الحکم کو معلوم ہوگا کہ میری اہلیہ ایک سال کو زیادہ عرصہ سے بیمار ہے سلسلہ کے معزز اور مخلص ڈاکٹروں اور طبیبوں نے ہماری ہمدردی اور توجہ سے اس کے علاج میں کوشش کی مگر ان کی حالت صحت کی طرف نہیں آئی یہاں تک کہ وہ چلنے پھرنے سے بالکل عاری ہوگئیں اور ٹانگوں کے درد نے لاچار کر دیا۔ میرے بچوں نے بطور خود ڈاکٹر برمن سے ان کی دوائی دافع درد منگوائی اور اس کا استعمال شروع کیا۔ خدا تعالیٰ نے محض فضل سے ڈاکٹر صاحب کی دوائی میری اہلیہ کے لئے نہایت مفید ثابت ہوئی۔ وہ مریضہ جو چارپائی سے اٹھ نہیں سکتی تھی میں دیکھتا ہوں کہ دن بدن اس بیماری سے نجات پا رہی ہے ایسی مفید دوائی کے بارے میں اپنے ناظرین کو سفارش کرتا ہوں کہ وہ ڈاکٹر ایس کے برمن کی ادویات جو نہایت قیمتی اور مفید ہیں ضرور تاً استعمال کریں۔

یعقوب علی ایڈیٹر الحکم قادیان

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ۔